سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (پاکستان)

نمبر ۲۵۰

دیوانِ فغاں

مع مقدمہ

مرتبہ

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب (علیگ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی

طبع اول   ۱۹۵۰ء   قیمت ۳ روپے

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (پاکستان)

نمبر ۲۵۰

دیوان فغاں

مع مقدمہ

مرتبہ

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب (علیگ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان)، کراچی

طبع اول   ۱۹۵۰ء   قیمت سے

منشی ناظر علی کے ناظر پرنٹنگ پریس کراچی میں چھپی

فہرست مضامین دیوان فغاں

مقدمہ

اشرف علی فغاں

نام و نسب مرزا اشرف علی خاں نام اور فغاں تخلص تھا شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے[1] سنہ ولادت معلوم نہ ہو سکا، مگر احمد شاہ کے رضاعی بھائی تھے، اس لئے اس کے سنہ ولادت سے ان کی پیدائش کی تاریخ بھی متعین کی جا سکتی ہے۔ احمد شاہ کا سنہ پیدائش سنہ ۱۱۴۱ھ ہے، رضاعی بھائی ہونے کی حیثیت سے اشرف علی خاں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال بڑے ہوں گے، اس لئے سنہ ۱۱۳۹ھ سے سنہ ۱۱۴۱ھ تک کے کسی سال میں ان کی پیدائش ہوئی ہو گی۔

والد کا نام مرزا علی خاں نکتہ[2] تھا نکتہ شاید تخلص ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اشرف علی خاں کے پدر بزرگوار بھی شاعر تھے۔ ان کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھا اور تیموری دربار سے گہرا تعلق رکھتا تھا، ماں نے احمد شاہ کو دودھ پلایا اس لئے کوکہ،[3] کوکہ خاں،[4] کوکلتاش یا کوکلتاش خاں بہادر[5] کہلائے، چچا ایرج خاں مرشد آباد میں شاہی ملازم[5] شاید وہاں کے حاکم تھے[6]۔

---

[1] گلشن ہند مولفہ مرزا علی لطف مرتبہ مولانا شبلی و مولوی عبد الحق ص ۲۱۳ [2] مخزن نکات مصنفہ شیخ محمد قیام الدین قائم ص ۴۲ انجمن ترقی اردو [3] مجموعہ نغز مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی جلد دوم ص ۳ [4] گلشن بے خار از مصطفیٰ خاں شیفتہ ص ۲۲۰ [5] گلشن ہند ص ۱۳۰ [6] آب حیات ص ۱۱۴

تلمذ فغاں کے تعلیمی حالات کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں، محمد حسین آزاد نے صرف اتنا لکھا ہے کہ "ابتدائے عمر میں شعر گوئی کا شوق ہوا طبیعت ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ جب ہی سے اس کام میں نام پیدا کیا"[1] شاعری میں شاید کئی استادوں سے مستفید ہوئے ان کے دوست اور معاصر میر تقی میر نے لکھا ہے کہ وہ قزلباش خاں امید کے شاگرد تھے[2]۔ مصحفی[3] اور لطف[4] نے ان کو ندیم کا شاگرد بتایا ہے، نساخ نے بھی ان کو علی قلی خاں ندیم کا شاگرد بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ "بعضے صاحب تذکرہ نے جوان کو قزلباش خاں امید کا شاگرد لکھا ہے غلطی کی ہے"[5]۔

فغاں نے ندیم سے اپنے رشتۂ شاگردی کا اظہار جابجا کیا ہے:-

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرت ندیم[6] — پیر تھا، مرشد تھا، ہادی تھا، مرا استاد تھا

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں — دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہووے گا

دشتِ جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا — اب تو فغاں ندیم مرا رہ نماں ہوا

کہتا کوئی فغاں کی طرف سے ندیم کو — اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں

---

[1] آب حیات از محمد حسین آزاد ص ۱۱۳ [2] نکات الشعراء مولفہ میر تقی میر مرتبہ مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی ص ۲۴

[3] تذکرہ ہندی مولفہ غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب ص ۱۷۰ [4] گلشن ہند ص ۱۳۰

[5] سخن شعرا مولفہ عبدالغفور خاں نساخ نول کشور پریس ط ۳۶۹ [6] ندیم:- نام مراد علی قلی خاں تھا وطن شاہجہاں آباد تھا دہلی کی تباہی کے بعد مرشد آباد آئے اور نواب میر جعفر خاں کی ملازمت میں داخل ہوئے اسی کے عہد میں ان کا انتقال ہوا پہلے مرثیہ و سلام کہا کرتے تھے لیکن پھر ریختہ کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:-

"مردے بود بہ کمال قابلیت، شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ بخوبی می گفت"۔ ان کے مختصر حالات تذکرہ ہندی مجموعۂ نغز، گلزار ابراہیم اور تذکرۂ میر حسن میں ملیں گے۔

گرایک قطعہ میں فغاں نے امید کا بھی نام لیا ہے،

شاہد حال ہے یہ مصرع امید فغاں | کاہے کو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط
اول عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا | بعد آیا تو عبث فائدہ بالله غلط
اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہی میری | کردہ ایں مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

اس قطعہ سے امید اور فغاں کے ذہنی تعلقات کی غمازی ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحی نے گل رعنا میں لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ پہلے امید سے اصلاح لیتے ہوں، پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہوں یا فارسی میں ان کے شاگرد ہوں[۱]"
ممکن نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ فغاں نے فارسی میں امید سے اصلاح لی۔

لچھمی نرائن شفیق کے تذکرۂ چمنستانِ شعرا میں ہے

در شعر فارسی اصلاح سخن از قزلباش خاں امید می گرفت[۲]۔

۱؎ گل رعنا ص ۱۱۷ دارالمصنفین اعظم گڑھ ۲؎ چمنستان شعرا ص ۳۰ قزلباش خاں امید اصلی نام مرزا محمد رضا تھا، ہمدان کے رہنے والے تھے، جوانی میں ترک وطن کرکے اصفہان آئے اور مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہوئے، اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت میں داخل ہو کر بہادر شاہ کے وقت میں قزلباش خاں خطاب اور ہزاری منصب پایا، چناں چہ خود کہتے ہیں

مثل بلبل ہمیشہ نالانم | ایں بود منصب ہزاری ما

معزالدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب سے برہان پور گئے اور جب امیرالامرا سید حسین دکن کا صوبیدار مقرر ہوا تو یہ اس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر کرناٹک کے داروغہ ہوئے یہاں بھی زمانہ نے ساتھ نہ دیا تو حیدرآباد کے ناظم مبارز خاں کی سرکار میں آکر ملازمت کی جب نظام الملک آصف جاہ نے مبارز خاں پر فتح پائی تو یہ بھی قید ہوئے مگر انھوں نے آصف جاہ کی خدمت میں ایک غزل پیش کی جو آصف جاہ کو ایسی پسند آئی کہ امید کو نہ صرف قید سے آزاد کیا بلکہ کرناٹک کے علاقہ منی مرگ کی قلعہ داری مرحمت کی کچھ دنوں کے بعد حج کرنے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو آصف جاہ کے مقرب خاص بن کر ۱۱۵۰ھ میں دہلی آئے۔ آصف جاہ جب مرہٹوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھوپال گئے تو امید بھی ہم رکاب تھے نادر شاہ کے حملہ کے زمانہ میں آصف جاہ کو دہلی بلایا گیا تو وہ بھی ساتھ آئے پھر دہلی کی محبت سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بقیہ عمر یہیں گذاری اور ۱۱۵۹ھ میں انتقال کیا آٹھ ہزار فارسی اشعار کا ایک دیوان چھوڑا کبھی کبھی ریختہ بھی کہتے تھے فن موسیقی کے بھی ماہر تھے (مآثر الکرام دفتر ثانی میر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۱۰ گلزار ابراہیم انجمن ترقی اردو ص ۱۸، ۱۹، ۲۰)

فغاں نے اپنے مقطعات میں بیتاب اور حشمت کے بھی نام لیے ہیں'

سن کے اس مطلع بیتاب کو کہتا ہے فغاں ۔۔۔۔ کھینچیے تیغ مری جاں کہ تیار ہوں میں
قتل گر کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں ۔۔۔۔ ہاں میاں تشنۂ آبِ دمِ تلوار ہوں میں [1]

غل اٹھا مصرعۂ حشمت کا فغاں زنداں میں ۔۔۔۔ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ [2]

---

[1] بے تاب. نام محمد اسماعیل۔ مصطفٰے خاں یک رنگ کے شاگرد تھے۔ گردیزی نے لکھا ہے کہ

"نکتہ سنج معنی یاب محمد اسماعیل بے تاب پایۂ سخنش بلند و حرفش دل پسند است"

لچھمی نرائن شفیق لکھتے ہیں کہ

"سحاب گوہر پاش سخن و دریائے مواج ایں فن است خود را از تلامذۂ مصطفٰے خاں یکرنگ می پندارد و کلامش ہائے فراواں بہ الفاظ تازہ و مضامینِ نو می دارد" ص ۹ ہم

گھوڑے سے گر کر ایسے زخمی ہوئے کہ پھر جاں بر نہ ہو سکے۔

[2] حشمت کا پورا شعر یہ ہے :-

نکہتِ گل نے جگایا کسے زندان کے بیچ ۔۔۔۔ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

حشمت تخلص اور نام محتشم علی خاں تھا باپ کا نام میر باقی اور بڑے بھائی کا میر ولایت اللہ خاں تھا' ان کا خاندان بدخشاں سے ہندوستان آیا نسباً سید تھے لیکن پیشہ سپہ گری تھا دہلی میں مغل پورہ میں رہتے تھے اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر تھے' محمد شاہ کے عہد میں انتقال ہوا۔ گردیزی لکھتے ہیں :-

"سخنش دل پسند است و فکرش بلند بکمال خوش خلقی و فراخ حوصلگی زیست می کرد..... دیوانش بیسر کردہ و چشمے آب را وہ حقا کہ در آں تلاش معنی تازہ کردہ و الفاظ رنگیں بروئے کار آوردہ احیاناً ریختہ می گفت"

میر تقی میر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "شاعر خوب فارسی و ریختہ فہمیدہ سنجیدہ باہم بہ عجز و انکسار پیش می آید جنسے بود کہ در دل ہمہ کس جائے او خالی است بر فقیر شفقت و عنایت بسیار می کند"

گلشن ہند میں ہے کہ "از مشاہیر شعرائے دہلی است شعر فارسی را نیکو می گفت و ترکیب ہندی ریختہ نیز بسیار شہرت دارد و اظہار داسوختگی دل نشین مردم افتادہ است..... ارتحالش در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ است"

معلوم نہیں فغاں نے ان دونوں کے نام محض تحسین کے جذبے میں لیے ہیں یا کسی فیض کے امتنان و تشکر میں ؟

فغاں کے حالاتِ زندگی فغاں بچپن سے جوانی کے عالم تک احمد شاہ کے ساتھ رہے، احمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے ندیمِ خاص ہوئے، احمد شاہ ان کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا بے حد قدر داں تھا، اس لیے ظریف الملک کوکہ خان بہادر کا خطاب عطا کیا[1]۔ اشرف علی کی حیثیت محض لطیفہ گو کی نہ تھی بلکہ وہ ایک معزز درباری امیر تھے۔ شیخ محمد قیام الدین قائمؔ مخزنِ نکات (نوشتہ ۱۱۶۸ھ) میں لکھتے ہیں :-

"در زمان سلطنت مرزا احمد بمنصب پنج ہزاری مفتخر و مباہی گشت[2]"

تذکرۂ ریختہ گویاں مؤلفہ سید فتح علی حسینی گردیزی (نوشتہ ۱۱۶۶ھ) میں ہے :-

"اشرف علی خاں فغاںؔ تخلص از عمدہ منصب وران عہد سعادت مہد است[3]"

اس کی تصدیق میر تقی میرؔ کے بیان سے بھی ہوتی ہے :-

فغاں تخلص کوکہ بادشاہ احمد شاہ داخل ذیل نیچہ امرایان ست[4]

لچھمی نرائن شفیق نے چمنستان شعرا میں لکھا ہے :-

از امرایانِ درگاہ احمد شاہ بادشاہ بود[5]

---

[1] گلشن ہند ص ۱۲۰ [2] مخزن نکات ص ۴۲ [3] تذکرۂ ریختہ گویاں مولوی فتح علی حسینی گردیزی مرتبۂ مولوی عبد الحق انجمن ترقی اردو ص ۱۲۱ [4] نکات الشعرا مؤلفۂ میر تقی میر مرتبۂ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ص ۸۰ [5] چمنستان شعرا انجمن ترقی اردو ص ۴۸۰

میر قدرت اللہ قاسم نے بھی انھیں "بسیار عمدہ معاش"[1] اور شیفتہ نے "از اہل ثروت بودہ"[2] لکھا ہے۔

کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ کے دیوانِ فغاں کے قلمی نسخہ کے آخر میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے، اس میں فغاں کے القاب و خطاب کی تفصیل اس طرح درج ہے:-

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں مخاطب بہ خطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان۔"

مصاحب الدولہ اور یکہ تاز جنگ کے خطابات شاید تیموری دربار ہی سے ملے ہوں گے، اس لئے فغاں نے فخر کے ساتھ اپنے دیوان کے آخر میں ان کو تحریر کیا ہے کیونکہ یہ دیوان جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، فغاں کی زندگی میں ان ہی کے لئے لکھا گیا تھا مگر اشرف علی فغاں کو امارت و ثروت کی بہار زیادہ دنوں تک دیکھنا نصیب نہ ہوا ان کی زندگی کا زمانہ وہ تھا جب شاہ جہاں آباد پر مصیبت والم کی گھٹائیں چھائی تھیں محمد شاہ کے عہد کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگی، مرہٹوں کی سرکشی اور شورہ پشتی اور نادر شاہ کی غارت گری اور خوں ریزی سے تیموری حکومت کی بنیادیں کھوکھلی پڑ گئی تھیں اکبر اور عالمگیر کی پُر جلال اور پر شوکت سلطنت کا زوال اپنے عروج پر تھا، محمد شاہ کے بعد احمد شاہ تخت پر ضرور بیٹھا لیکن وہ محض اپنے اجداد کی سلطنت کی پامالی اور بیخ کنی کے مناظر دیکھنے کو بیٹھا تھا، سلطنت میں ایک لوٹ مچی ہوئی تھی، نادر شاہ کے بعد احمد شاہ درانی کی نظریں ہندوستان جنت نشان پر لگی ہوئی تھیں، وہ تیموری

---

[1] مجموعۂ نغز ص ۲، [2] گلشن بےخار ص ۲۰۰ مطبوعہ اردو اخبار پریس دہلی

سلطنت کے چراغ کو اپنی طوفانی موجوں کے تند جھونکوں سے بجھا دینا چاہتا تھا مگر قدرت نے یہ انجام اس کے ہاتھوں سے نہ لکھا تھا، وہ آیا اور چلا گیا۔ بیہودیوں میں درانیوں کے حملوں کو روکنے کی تاب نہ تھی اس لئے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر احمد شاہ نے تھوڑے دنوں کے لئے اپنے کو بچا لیا لیکن تنہا درانیوں کے حملہ ہی کی مصیبت نہ تھی درانی جانے بھی نہ پائے تھے کہ روہیلوں اور مرہٹوں کی معاندانہ کارروائیوں سے سلطنت کا شیرازہ اور بکھر گیا، خود دربار میں امراء و اعیان سلطنت میں اتفاق نہ تھا، ان کی ریشہ دوانیوں سے رہی سہی قوت بالکل جاتی رہی، بادشاہ بے جان اور عمائد حکومت کے ہاتھوں مجبور تھا، آخر کار ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ تخت سے اتار کر قید خانہ میں بٹھا دیا گیا اور دوسرا بے بس اور لاچار بادشاہ عالمگیر ثانی کے لقب سے زینت تخت و تاج بنایا گیا۔

ان ہنگاموں میں احمد شاہ کے درباری امیر ندیم خاص اور رضاعی بھائی اشرف علی خاں فغاں کو بھلا کہاں چین نصیب ہو سکتا تھا دربار قتل و خون کا مرکز اور شاہ جہاں آباد کی گلیاں ماتم کدہ بنی ہوئی تھیں دولت اور عزت دونوں کی غارتگری ہو رہی تھی، فغاں دلی کی بربادی نہ دیکھ سکے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ احمد شاہ کی معزولی کے فوراً ہی بعد یا کچھ دنوں رہ کے فغاں نے دہلی چھوڑی لیکن قیاس کہتا ہے کہ احمد شاہ کی معزولی اور قید کے بعد دہلی چھوڑ دی۔ فغاں کے معاصر مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

"در ایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد بر آمدہ بہ طرف پورب گذر افگندہ[۱]"

---

[۱] تذکرۂ ہندی مولوی غلام ہمدانی مصحفی انجمن ترقی اردو ص ۱۶۰

"تفرقۂ شاہ" سے احمد شاہ کی قید ہی مراد ہو گی لیکن مجموعۂ نغز (نوشتہ ۱۲۲۱ھ) میں ہی کہ

"بنا برافراط و تفریطے کہ در ہنگامہ آرائی افاغنۂ ابدالی بحضرت دہلی رُو داد بدیارِ شرقیہ رحلِ اقامت انداخت[1]"

شاید اسی استناد پر محمد حسین آزاد نے لکھا ہی کہ "جب احمد شاہ درانی کے حملوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور دلّی کے دربار میں طور بے طور دیکھا تو فغاں دہلی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ یہی بات گلِ رعنا میں بھی کہی گئی ہی، لیکن جب ہم احمد شاہ درانی کے حملوں کی تاریخوں کو پیش نظر رکھتے ہیں تو ان بیانات میں کچھ الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہی، احمد شاہ درانی کا پہلا حملہ محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۶۰ھ مطابق ۱۷۴۷ء میں ہوا، دوسرا احمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۶۱ھ (مطابق ۱۷۴۸ء) میں ہوا، اس حملہ میں لاہور کے قریب مغل اور درانی متصادم ہوئے لیکن احمد شاہ نے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر یہ بلا دور کی۔ احمد شاہ کے زمانہ میں درانیوں کا پھر کوئی حملہ نہ ہوا، وہ ۱۱۷۲ھ (مطابق ۱۷۵۹ء) میں ہندوستان پھر آئے اور مرہٹوں کی قوت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی بڑھتی ہوئی قوت پھر نہ سنبھل سکی اب اگر یہ مان لیا جائے کہ فغاں نے درانیوں کے حملہ کی طوائف الملوکی میں دہلی چھوڑی، تو انھوں نے یا تو ۱۱۶۱ھ یا ۱۱۷۲ھ کے بعد دہلی چھوڑی ہو گی، اگر ۱۱۶۱ھ کے بعد وطن ترک کیا تو گویا احمد شاہ کی زندگی ہی میں اس کو خیرباد کہا جو قیاس میں نہیں آتا، اور اگر ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے تو احمد شاہ کی معزولی کے پانچ برس بعد تک وہیں قیام پذیر رہی جس کو یقین کرنا ذرا مشکل ہی، چناں چہ

---

[1] مجموعۂ نغز حصۂ دوم ص ۲۷

مصحفی کا یہ بیان کہ فغاں نے احمد شاہ کی قید کے بعد دہلی چھوڑی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اتفاق سے فغاں نے اپنے دیوان میں ایک جگہ خود اسی کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ دہلی چھوڑنے کے بعد وہ اپنا دردناک حال لکھتے ہیں :-

لکھے شرحِ غم گر دلِ دردناک   تو اپنی زباں کلک کرتی ہے چاک
مرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ   بہاتی ہے چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہے ماجرا درد کا   دلِ سرد کا اور رُخِ زرد کا
بیاں سے بجا ہے کہ خاموش ہوں   کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے بے حجاب   کہ یہ راز روشن ہے جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں   گرفتارِ غم کی روایت کے تئیں

اور یہ حکایت فغاں کے محبوب آقا اور رضاعی بھائی احمد شاہ کی ہے جس سے ان کی محبت عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔

جہاں میں مرا ایک دلدار تھا   اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے   نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو   نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی   سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں   تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا   سدا وصل کے بیچ آرام تھا
جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں   تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں
اسی کو میں کہتا تھا ہے ماہتاب   وہی تھا مرا پنجۂ آفتاب
میں پوجوں تھا نت اس صنم کے تئیں   نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں
وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا   غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا

شاہ مذکور سے فغاں کے اختلاط و محبت کی شدت ملاحظہ ہو:۔

سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی   کہیں خوش طبع ہو مرے یار کی
اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج   چلے تھا وہاں سے تو میں لاعلاج
یہ کہتا تھا رو رو ستم گار کو   نہ چھوڑ اس مزے میں تو گلزار کو
ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال   کہ حیرت سے رہ گئی ہے آنکھیں نکال
ارے اے مری جان اس وقت میں   ارے تیرے قربان اس وقت میں
ترا ہنس کے کہنا میں گھر جاؤں گا   مرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا
یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز   کوئی اس میں محمود کوئی ایاز
مگر یہ ساری نشاط انگیزیاں اس وقت کافور ہو گئیں جب کہ
فلک نے یکایک ستم یہ کیا   دلِ شاد کو داغ حرماں دیا

شاید اس سے احمد شاہ کی معزولی ہی مراد ہے، اس کے بعد فغاں کا کیا حال ہوا، وہ خود ہی لکھتے ہیں:۔

نہ پہنچا کوئی واں مری داد کو   چلا تب تو میں مرشد آباد کو

آخری شعر سے صاف ظاہر ہے کہ دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں مرشد آباد گیے مگر مصحفی رقم طراز ہیں:۔

> "در ایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد برآمد، بہ طرف پورب گذرانیدہ و معرفت میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود، بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ یکے از مقرباں گردانیدہ۔"[1]

---

[1] تذکرہ ہندی ص ۱۶

فغاں کے مذکورۂ بالا شعر کے بعد کیونکر یقین کیا جا سکتا ہی کہ وہ دہلی سے نکلے تو سیدھے نواب شجاع الدولہ کے یہاں پہنچے۔ نواب موصوف ۱۱۶۷ھ میں یعنی احمد شاہ کی معزولی کے سال اپنے باپ صفدر جنگ کے جانشین ہوئے۔ ظاہر ہی کہ فغاں کی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا ہو گا کہ اپنے شفیق اور جاں نثار رضاعی بھائی کے قید خانہ جاتے ہی وہ ایک دوسرے فرماں روا کی آستاں بوسی کے لئے پہنچ جائے' اس بے بسی کے عالم میں دہلی کو چھوڑنا ہو گا تو بزرگوں کے پاس مرشدآباد چلے گیے ہوں گے' اس زمانہ میں دہلی اور اودھ کے بعد شاعری کی بزم عظیم آباد اور مرشدآباد ہی میں جمتی تھی' مگر مرشدآباد میں زمانہ نے فغاں کا ساتھ نہ دیا' وہ وہاں سے واپس ہوئے' تذکرۂ گلشن ہند میں ہی کہ وہ پھر شاہ جہاں آباد آئے۔ اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:-

> دلّی سے مرشد آباد میں اپنے چچا کے پاس کہ محمد ایرج خاں کر کے مشہور تھے وارد ہوئے لیکن نہ رہی اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر شاہ جہاں آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے اور بطور بود و باش کے وہاں ٹھہر گئے[۱]

اس واپسی کے بعد معلوم نہیں ان کا قیام دہلی میں کتنے دنوں رہا۔ صاحب گلشن ہند کے "کئی برس" کی مدت میں درانیوں کے آخری حملہ (۱۱۷۰ھ) کا سال شامل کر لیا جائے تو میر قدرت اللہ قاسم اور ان کے ہم نوا مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا عبدالحی کا یہ بیان کہ "درانیوں نے جب دہلی کو تہ و بالا کر دیا تو فغاں نے پریشان ہو کر دلّی کو خیرباد کہا" صحیح ہو سکتا ہی' مگر نواب علی حسن خاں نے اپنی "صبح گلشن" میں معلوم نہیں کس سند پر لکھا ہی کہ فغاں ۱۱۷۰ھ میں عظیم آباد پہنچ گئے

[۱] گلشن ہند۔ ص ۱۳۰

تھے، ان کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔

ہمیں کہ از وطن برمید و در اودھ رسید، رفاقت نواب وزیر شجاع الدولہ بہادر گزید مگر آخر ساز مصاحبت کوک نہ گردید پس از آنجا در سنہ سبعین و مائتہ والف صوب عظیم آباد رسید[۱]"

اگر ہم اس تاریخ کو صحیح جان لیں تو یہ قیاس غلط ہوگا کہ فغاں جب دوسری بار شاہ جہاں آباد واپس آئے تو پھر درانیوں کے آخری حملے ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے، اور اگر غلط سمجھ لیں تو پھر بہت ممکن ہے کہ انھوں نے دوسری بار درانیوں کے حملے کے بعد ہی دہلی چھوڑی،

بہر حال دوسری بار دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں نواب شجاع الدولہ کے دربار پہنچے۔ صاحب گلشن ہند نے ان کے نواب موصوف کے یہاں پہنچنے کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے، شاید اختصار سے کام لیا ہے، نواب مصطفےٰ علی خاں کے یہاں تو یہ اختصار اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"ازیں (یعنی شاہ جہاں آباد سے) نقل و حرکت بہ عظیم آباد سکونت اختیار کردہ[۲]"

مخزن نکات میں شیخ قائم کا بیان اور بھی الجھا ہوا ہے۔

"دریں ایام در دار الامان ہندوستان گرد وسیمہ آفات و شاہراہ بے تاب است بپاس آبروئے خویش سفر بنگالہ گزیدہ وہاں جا رخت اقامت انداخت[۳]"

مگر فغاں کا اودھ پہنچنا اور نواب شجاع الدولہ کی ملازمت سے منسلک ہونا یقینی ہے، نواب موصوف نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے یہاں رکھا اور

۱؎ تبع گلشن ص ۱۸۰ ۲؎ گلشن بے خار ص ۲۲۰ ۳؎ مخزن نکات ص ۴۲

نہایت بے تکلف ہو گیے، ایک روز اسی بے تکلفی میں انھوں نے گرم پیسے سے ان کا ہاتھ جلا دیا فغاں کو نواب کا یہ مذاق پسند نہ آیا اور ان کی صحبت سے کنارہ کش ہو گیے،

مصحفی لکھتے ہیں

درہماں نزدیکی روزے نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط بہ فلس سوختند آب در دیدہ گردانید و ہیچ نہ گفت و آخر بہ ہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت [۵۱]

مگر محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ "ایک دن اختلاط میں ان کا کپڑا نواب کے ہاتھ سے جل گیا رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گیے وہاں جا کر اس سے زیادہ عزت پائی" کپڑے جلنے کی روایت کسی تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گذری، مولانا عبدالحی نے بھی گل رعنا میں آزاد کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ معلوم نہیں کپڑے جلنے کی روایت کہاں سے لی ہے، مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہے، اور یہی صحیح ہے [۵۳]"

فغاں فیض آباد سے چلے تو عظیم آباد پہنچے یہاں راجہ شتاب رائے کا دربار علمی قدردانی اور فیاضی کے لیے مشہور تھا، شتاب رائے نے فغاں کو اپنے یہاں بلا کر اپنے دربار کی زینت بڑھائی، صبح گلشن میں ہے کہ

"راجہ شتاب رائے ناظم صوبہ بہار باو صافش پے بردہ بمنادمت خودش کشید [۵۴]"

شتاب رائے مغلیہ حکمرانوں کا نمک خوار تھا اس لیے جذبۂ وفاداری میں اپنے آقا کے رضاعی بھائی کی وہ پوری تعظیم و تکریم کی جس کے فغاں مستحق تھے

---

[۵۱] تذکرہ ہندی ص ۱۷۰ [۵۲] آب حیات ص ۱۴۲ [۵۳] گل رعنا ص ۱۱۸ [۵۴] صبح گلشن ص ۳۱۰

اس کے علاوہ وہ خود بہت ہی علم پرور اور ہنر دوست تھا فغاں کے کمال ذاتی شیریں کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھنے لگا،

نواب علی حسن خاں صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہیں فغاں کو راجہ شتاب رائے کی وساطت سے شاہ عالم کی طرف سے ظریف الملک کا خطاب ملا،

راجہ شتاب رائے ...... از حضور شاہ عالم بادشاہ خطاب ظریف الملکی وچندے بہ بطریق التمغا لوی دہانید، ازاں زماں اشرف علی خاں عظیم آباد را بتوطن برگزید[ل]

نواب صاحب کو لکھتے وقت شاید غلط فہمی ہوئی، کیونکہ اوپر ہم مستند اور معاصر تذکرہ نویسوں کے بیان پڑھ چکے کہ یہ خطاب احمد شاہ نے دیا،

بعض تذکروں میں ہے کہ راجہ شتاب رائے کی قدردانی میں فغاں نے باقی عمر خوش حالی سے بسر کی، لیکن محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد فغاں کے تعلقات راجہ صاحب سے قائم نہ رہے، اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کئے، ایک دن اس کی دست درازی اور بے اعتدالیوں کا ذکر ہو رہا تھا، خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے راجہ صاحب نے کہا کہ نواب صاحب ملکہ زمانی کو احمد شاہ درانی کیوں کر لے گیا، انھیں یہ بات ناگوار ہوئی افسردہ ہو کر بولے کہ مہاراج جس طرح سیتا جی کو راون لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا اس دن سے دربار میں جانا چھوڑ دیا[۲]

آزاد کو معلوم نہیں یہ روایت کہاں سے ملی اس کے بعد آزاد کا بیان ہے کہ فغاں نے حکام فرنگ سے رسائی پیدا کی اور ان کے فیض سے باقی عمر فارغ البالی

ل صبح گلشن ص ۳۱۰ ۲ آب حیات ص ۱۱۵

اور خوش حالی میں گذاری، اس کی تائید مجموعۂ نغز کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے،

"در حسن سلیقہ کہ داشت بسران فرنگ در ساخت و در ہماں نواح رشتۂ زندگانی وے در گسست و بجوار رحمت حق در پیوست[۱]"

گلشن ہند اور سخن شعرا میں فغاں کا سنہ وفات ۱۱۸۶ھ لکھا ہے مگر گلشن بیخار میں ۱۱۹۶ھ درج ہے، لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، آب حیات اور محمل رعنا میں ۱۱۸۶ھ ہی ہے عظیم آباد میں مدفون ہیں، مدفن کی جگہ معلوم نہ ہو سکی،

فغاں کا مذہب

فغاں مذہباً شیعہ تھے، دیوان کا آغاز حضرت علیؑ کی مدح سے کیا ہے اس کے بعد حضرت امام علی موسیٰ رضا کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس میں بھی حضرت علی سے اپنی محبت کا اظہار جا بجا کیا ہے، مثلاً

پہنچائیو تو خاک فغاں کی وہاں صبا — مشہد ہے جس طرف کو مرے بوتراب کا

مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر — تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کا

گو فغاں ہر ملت کے لوگوں سے یکساں تعلقات رکھتے تھے، میر اپنی خودداری کے باوجود جو نخوت و غرور کی حد تک پہنچی ہوئی تھی ان کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے وہ لکھتے ہیں " بندہ بخدمت او بسیار مربوطم[۲]"

میر کا فغاں سے گہرا ارتباط رکھنا ان کے اخلاق و ملنساری کی واضح دلیل ہے، علی ابراہیم نے بھی اپنے تذکرہ میں لکھا ہے، " با راقم آثم ربطے داشت[۳]"

میر حسن بھی لکھتے ہیں، کہ " خوش اختلاط بود با ہر کس خوش طبعی داشت[۴]"

انداز طبیعت

ان کے ملنے والے ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی سے بہت لطف اٹھاتے تھے تذکرہ گلزار ابراہیم کے مصنف کا بیان ہے کہ

۱؎ مجموعہ نغز ص ۲، حصہ دوم ۲؎ نکات الشعراء ص ۸ ۳؎ تذکرہ گلزار ابراہیم ص ۱۸۴ ۴؎ تذکرہ میر حسن ص ۱۴۲

آخر بہر ان کو خوش طبعی اور خوش اختلاطی سے کام تھا، کوکے تھے احمد شاہ بادشاہ کے اور مربی گری ظرافت کی (سے) ندیم تھے جہاں پناہ کے، چناں چہ ظریف الملک کوکے خاں بہادر حضور سے بادشاہ کے خطاب پایا تھا اور مرتبہ کو شوخی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچایا تھا[۱]۔"

میر صاحب بھی رقم طراز ہیں، کہ

طبع؛ و مائل لطیفہ بسیار است، چناں چہ ناگرمل را کہ دیوان تن و دخیل بادشاہیست گھی کی منڈی کا سانڈ گفتہ۔ ہر کہ دیدہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد۔ و حکیم معصوم را در دربار معلّٰی گاؤ گجراتی نام کردہ ہر کہ حکیم صاحب را بیند داند[۲]۔"

تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی ظرافت اور خوش طبعی کا ذکر کیا ہے، سید فتح علی حسینی گردیزی لکھتے ہیں کہ

وضع ظریفانہ دارد[۳]۔"

چمنستان شعراء میں ہے: "داکثر گاہ چمنستان قلوب را از نسیم لطیفہ گوئی و ظرافت مطرامی نمود[۴]۔"

میر حسن کا بیان ہے کہ " از ہنگامہ آرایان زمان و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں کوکہ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ خاں ظریف طبع و خوش اختلاط بود، با ہر کس خوش طبعی داشت شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است[۵]۔"

۱؎ گلشن ہند ص ۱۴۸ ۲؎ نکات الشعراء ص ۷۸ ۳؎ تذکرہ ریختہ گویاں ص ۱۲۱ ۴؎ چمنستان شعراء ازلچھمی نرائن شفیق ص ۲۸۲
۵؎ تذکرہ میر حسن ص ۱۴۷

مجموعہ نغز میں ہے :

نہایت یار باش و خلیق ظریف الطبع مزاج سراسر سرور بسر ابتہاج بود[1]"

نساخ نے بھی سخن شعرا میں لکھا ہے کہ بڑے ظریف تھے[2] محمد حسین آزاد نے گل افشانی کی ہے کہ "ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیزی اور طراری کو ان کے مزاج سے وہ لگاؤ تھا جو باروت اور حرارت کو، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی زبان میں ایسی تھی، جیسی تلوار میں جوہر" اس کے بعد ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو اگرچہ بہت مشہور ہے لیکن محض ناظرین کے تفنن طبع کے لئے آزاد ہی کی زبان میں ہم اکو سناتے ہیں، فغاں نے ایک دن راجہ شتاب رائے کے دربار میں ایک غزل پڑھی جس کا قافیہ تھا لالیاں، جالیاں، سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی، راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے، ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے، مگر تالیاں رہ گئیں، انھوں نے ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا، راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو؟ جگنو میاں کیا کہتے ہیں، انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے، مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ کہنا تو چاہیے، انھوں نے اسی وقت پڑھا

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار چمک اٹھا اور میاں جگنو مدھم ہو کر رہ گئے[3]"

نواب علی حسن خاں نے بھی اپنے تذکرہ صبح گلشن میں بذلہ سنجی کی تعریف

---

[1] مجموعہ نغز ص ۲، [2] سخن شعراء ص ۳۶۹ [3] آب حیات ص ۱۱۵

ان الفاظ میں کی ہے،

بسکہ مزاجش مزاح و ظرافت رامی پسندید از کلام طیبت انگیز احدی
ازعالی واسافل نمی رنجید گویند ہرگاہ مکانش بر فعت و وسعت معمر
ومرتب گردید و بزم نشاط چید[۵۷]

اس بزم نشاط کا ایک لطیفہ نواب صاحب موصوف نے بھی نقل کیا ہے، جو ذرا غیر سنجیدہ ہے، اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں،

فغاں کی ہجوین شاعری کے میدان میں فغاں کی ظرافت اور بھی تیز بلکہ بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہے، پیش نظر دیواں میں ان کی دس ہجوین ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف اشخاص کی کی ہیں، ان میں بعض تو ایسی ہیں جو اعتدال کی حد سے اتنی آگے بڑھ گئی ہیں کہ وہ فحاشی اور گالی گلوج کہی جا سکتی ہیں،

عام طور سے اردو میں ہجو گوئی کا معیار بہت ہی پست ہے، بلکہ یہ ادب اردو کے رخ گلگوں کا بہت ہی بدنما داغ ہے، ہجو گوئی کا مقصد اردو شعراء خصوصاً قدما، کے یہاں وہ نہیں جو فرانس میں ریبیلے، مولیر، والٹیر اور اناطول فرانس یا انگلستان میں ڈرائیڈن پوپ اور بائرن یا عرب میں قدامہ، ابی عمر بن العلاء اور ابن رشیق کے یہاں ہے، بلکہ وہ ہے، جو ایرانی شاعری میں سوزنی، عبید زاکانی اور فتوحی کے یہاں ہے یعنی یہی کہ بغض و عناد یا تمسخر میں ذاتی تضحیک و تذلیل، جوش انتقام میں سب و شتم اور حسد میں طنز و تشنیع کرنا عربی شعراء مثلاً ابن قدامہ اور ابن رشیق کے نزدیک جسمانی یا آبائی عیوب کا ذکر کرنا تہمت لگانا اور بدزبانی کرنا ہجو گوئی نہیں بلکہ گالی گلوج ہے اس لحاظ سے اردو کے قدیم ہجو گو شعراء کے یہاں صرف گالی گلوج بلکہ ایسی فحاشیاں ہیں جن کو پڑھ کر حیا کی گردن جھک جاتی ہے،

---

[۵۷] صبح گلشن ص ۳۱۹

ہجو گوئی کے مرد میدان مرزا سودا ہیں وہ طبعاً نہایت نازک مزاج واقع ہوئے تھے، پھر ان کی رگوں میں سپاہیانہ خون رواں تھا، اس دو آتشہ نے ان کی ظرافت اتنی تیز کر دی تھی کہ ان کی ہجو میں متانت سنجیدگی اور سلامت روی کا کہیں پتہ باقی نہ رہا، ان کے یہاں پھبتیاں کہنا، کھلی کھلی گالیاں دینا، حسب و نسب کی دھجیاں اڑانا کوئی غیر معمولی بات نہیں، پھر معلوم نہیں سودا کا رنگ اس قدر کیوں جا کہ ان کے معاصرون میں جس کسی نے ہجو کی اسی انداز کو اختیار کیا اور رفتہ رفتہ ہجو کے معنی تعریض، تنقیص، تضحیک، تذلیل، سب و شتم، گالی گلوج اور بے ہودہ گوئی وغیرہ سب کچھ تصور کیا جانے لگا،

چناں چہ فغاں کے یہاں بھی یہ ساری خصوصیات موجود ہیں، مثلاً میر معصوم کی ہجو میں لکھتے ہیں:

ایک ہیں آشنا مرے مجہول
خود نما بو الفضول نا معقول

یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے
تسنی ہیں خان دوراں کے

یا یہ شایستہ خاں کے پوتے ہیں
خانخاناں کے گھر ہوتے سوتے ہیں

یا کہ نانی تھی ان کی نور جہاں
ان کا نانا تھا شیر افگن خاں

آبائی عیوب کا ذکر کر کے جسمانی نقائص کا ذکر کرتے ہیں،

سر کہاں ہے تلا ہی ہانڈی کا
حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا

بھوئیں آپس میں اس طرح رلیاں
جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں

چشم تو ہے برنگ دیدۂ بوم
نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم

کان پھیلے ہیں جوں پر شپرک
ہے بنا گوش جوں سر خپرک

ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی
جیسے جوتے پہ مینڈ کی بیٹھی

آگے پڑھتے پڑھتے تو آنکھیں بند کر لینی پڑتی ہیں دو اور ہجووں میں ابتذال رکاکت

اور فحاشی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ سودا بھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں،

مگر اس زمانہ میں ہجو گوئی کا جو عام معیار ہے، اس لحاظ سے فغاں کی بعض ہجویں اعلیٰ معیار پر پوری اترتی ہیں، دلی چھوڑ کر جب مرشد آباد چلے تو راستہ میں الہ آباد ٹھہرے وہاں کی سرزمین اور وہاں کے لوگوں سے خوش نہ ہوئے، جل کر ان کی ہجو لکھی جو خوب ہے کہ

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے
عجب شہر بھونڈا دکھایا مجھے

یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ
مرا بس چلے آج دوں اس کو آگ

جہاں تک تری ہے وہاں سیل ہے
نظر آئی خشکی تو کھپریل ہے

لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا
کہ یہ تو ہے بیت الخلا دہر کا

. . . .

. . . .

لکھوں وضع کیا مردم شہر کی
کم ہو جائے حرمت ابھی دہر کی

عجب قہر ہے جس میں یہ شہر ہے
مصیبت ہے زندان ہے قہر ہے

نکالے خدا اس بلا سے شتاب
نہ ہوگا جہنم میں اتنا عذاب

اگر ہوگا تو یار ہوں گے کبھی
وہاں میرے غم خوار ہوں گے کئی

وہ پہنچیں گے آخر مرے درد کو
دکھاؤں گا اپنے رخ زرد کو

کہوں گا کہ میں عاشق زار ہوں
بری دہر دنیا گرفتار ہوں

وہاں کے ارباب علم و اصحاب کمال کی جو خبر لی ہے وہ ملاحظہ ہو:

یونہی ہنستے ہنستے یہ آیا خیال
بھلا دیکھئے یہاں کے صاحب کمال

انھیں شاعری میں ہے کتنا شعور
کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور

پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے
زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

وہاں کے پیر مرشد اور شاعر کامل شاہ عبدالرحمان الہ آبادی کی جو درگت بنائی ہے وہ بھی

سن لیجئے:۔

اگر کوئی جا ان کو دشنام دے ۔۔۔ کہیں تجھ کو اللہ آرام دے
کہیں آپ کو مرشد کائنات ۔۔۔ تبرک ہے یہاں میر صاحب کی ذات

شاہ صاحب شاعری میں جو درک رکھتے ہیں پہلے ان ہی کی زبان سے سنئے:

سنو جس کی بھولی گلستان ہے ۔۔۔ وہ سعدی میرا بوڑھا دہقان ہے
نظیری بھی دیکھ خاموش ہو ۔۔۔ اسے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دست سخا ۔۔۔ تو میں بھی تو رکھتا ہوں دست دعا

اب اس کے آگے سنئے:۔

کئی شعر ہیں یاد استاد کے ۔۔۔ تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضمون ہیں ۔۔۔ تب ہی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمایئے ۔۔۔ نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جایئے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار ۔۔۔ کہ تا شاہدی دیویں اہل جوار
کریما بہ بخشائے بر حال ما ۔۔۔ کہ ہستم اسیر کمند ہوا
کبھی کاٹ کا ایک تکہ بنا ۔۔۔ پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جا بجا
الٰہی بہ اعزاز آں پنجتن ۔۔۔ کہ ہستند فخر زمین و زمن

مگر فغاں کا اصلی شاعرانہ کمال ان کی غزلوں سے ظاہر ہے عمر میں تو وہ میر، سودا اور درد سے چھوٹے تھے، لیکن موجودہ دور کے بعض ارباب نظر نے ان کا شمار شعرائے متقدمین میں کیا ہے آزاد نے ان کو اردو شاعری کے دور دوم میں رکھا ہے جس میں حاتم اور سراج الدین خاں آرزو ہیں اور مولانا عبدالحی نے قدما کے دور سوم میں شامل کیا ہے جس میں شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، میر محمد شاکر ناجی، محمد حسین

کلیم اور مصطفےٰ خاں یک رنگ وغیرہ ہیں مگر قیام الدین قائم نے فغاں کو اپنے مجوزہ طبقہ رسوم میں یعنی مظہر جانجاناں، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، میر سوز اور انعام اللہ خاں یقین وغیرہ کے ساتھ رکھا ہے اور یہی صحیح تقسیم ہے کیونکہ پیش نظر دیوان میں بعض خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر ان کو متقدمین کے بجائے شعرائے متوسطین کے دور اول کی صف میں جگہ دینی چاہیے، موخر الذکر دور کے شعراء کے کارنامے یہ ہیں کہ انھوں نے ایہام گوئی کو چھوڑ کر زبان کی صفائی اور صحت کی کوشش کی، فارسی کی دلپذیر ترکیبیں اور پسندیدہ محاورے اردو میں رائج کیے، الفاظ کی بندشوں کو چست اور لطیف بنایا اور پرانے عاشقانہ مضامین کو روزمرہ بول چال میں خوبصورتی سے ادا کیا اور یہ تمام باتیں فغاں کے یہاں موجود ہیں،

فغاں کا موجودہ دیوان تو ایہام گویوں کے خلاف سراسر جہاد ہے، ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے مرزا مظہر جانجاناں نے علم بغاوت بلند کرکے اس خس و خاشاک سے اردو شاعری کو پاک کیا۔" لیکن مرزا مظہر اردو میں اشعار کہنا اپنے لئے طرۂ امتیاز نہ سمجھتے تھے، اس لئے اردو شاعری کو واقعۃً جس نے ایہام گوئی کی برائیوں سے صاف کیا وہ ان کے شاگرد رشید انعام اللہ خاں یقین تھے، فغاں مرزا مظہر سے تو بہت چھوٹے لیکن یقین کے ہم عمر تھے اب معلوم نہیں فغاں نے مرزا مظہر کے زیر اثر ہو کر یا یقین کی تقلید میں یا اپنی طبیعت کی افتاد سے ایہام گوئی کی صنعت چھوڑی، مگر کسی کی تقلید میں شعر کہنا وہ اپنے لئے ننگ سمجھتے تھے وہ خود کہہ گئے ہیں،

کیوں کریں غیر کے مضمون کو فغاں ہم موزوں
تازگی ہووے سخن میں یہ کمال اپنا ہے

بہرحال حقیقت جو کچھ ہو لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں یقین ریختہ گوئی کو ایہام گوئی سے پاک کر رہے تھے اسی زمانہ میں فغاں نے بھی اس

صنعت سے بہت زیادہ احتراز کیا ہے، چناں چہ بقول مخدومی مولانا عبدالسلام ندوی وہ مصلحین اردو شاعری کی صف اول میں جگہ پانے کے قابل ہیں[۱]

جہاں تک زبان کی صفائی اور صحت کا تعلق ہے، فغاں نے وہی زبان استعمال کی ہے جو مرزا مظہر، سودا، میر اور درد کے یہاں ہے، قدما کے الفاظ ان کے یہاں نہیں ملتے ہیں اور جو متروکات سودا اور میر کے یہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں فغاں کے یہاں مشکل سے کہیں کہیں ملیں گے، پورے دیوان میں صرف کسو نت، جون، سان اور ٹک چند بار استعمال ہوئے ہیں،

البتہ ولی کی طرح[۲] "تئیں" کا استعمال جابجا کیا ہے، بلکہ دو غزلیں تو اسی ردیف میں لکھی ہیں، جن کے بعض اشعار یہ ہیں،

شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند　　نزدیک ہے کہ آگ لگے آسماں کے تئیں

خلوت میں وہ ہو جام ہو مطرب ہو اور شراب　　یہ دن خدا دکھاوے ہا لے فغاں کے تئیں

مے نہیں، مینا نہیں، ساغر نہیں، ساقی نہیں　　جی میں آتا ہے لگا دوں آگ میخانے کے تئیں

اسی طرح ایک قطعہ ہے جس میں جالیاں، کالیاں، اور نکالیاں جیسے الفاظ قدما کی یاد تازہ کرتے ہیں[۳]،

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے　　جینے لگا وہ شوخ مراتب یہ جالیاں

ایذا ہر ایک طرح سے دینے غرض مجھے　　کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں

---

[۱] معارف جلد ۹ نمبر ۱۴،

[۲] ولی کا ایک مقطع ہے،

پیدا ہوا ہے جگ میں ولی صاحب سخن　　میری طرف سوں جا کے کہو انوری تئیں

[۳] حاتم کا ایک مطلع ہے،

جب سے تیری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں　　تب سے جہاں میں تونے دھومیں مچائیاں ہیں

ہم نے شب فراق میں سنا ہی اے فغاں — کیا خاک سو کے حسرتیں دل کی نکالیاں
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل — آنکھیں جو کھل گئیں وہیں راتیں نکالیاں

مگر یہ الفاظ متوسطین کے دور اول میں متروک نہیں ہوئے تھے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں ردیف اور قافیے اس زمانہ میں بہت ہی پسندیدہ تھے، میر[۱] سودا[۲]، یقین[۳]، اور بیدار[۴] نے بھی اس ردیف اور قافیے میں غزلیں لکھی ہیں،

فغاں نے فعل امر کے استعمال میں قدما ہی کی روش پسند کی ہے اور یہ چیز شعرائے متوسطین کے دور سوم تک جاری رہی اس کے علاوہ یہ لفظ فغاں کی غزلوں میں ایسے موزوں ہیں کہ موجودہ مذاق کے مطابق بھی ان میں قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

خط دیجیو چھپا کے لے وہ اگر کہیں — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
باد صبا تو عقدہ کشا اس کی ہوجیو — مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں
اتنا ہجوم خوش نہیں آتا ہے اشک کا — عالم کو مت ڈبوئیو اے چشم تر کہیں
مجھ سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو — اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

---

۱ میر: مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں — کیا جانیے کہ مر گئے ہم کدھر کے تئیں
کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب — روتے گذرتیاں ہیں ہمیں راتیں ساریاں

۲ سودا: جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیاں دیکھیاں — جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

۳ یقین: کم نہیں ہم بوجھتے کعبے سے میخانہ کے تئیں — سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے کے تئیں
گالی بھی پی گئے ہیں مار بھی کھائیاں ہیں — ہم نے تری جفائیں کیا کیا اٹھائیاں ہیں

۴ بیدار: جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں — بل بے ظالم تری بے پروائیاں
یارب جو خار غم نے جلائے انھوں کے تئیں — جو غنچہ طرب میں کھلا دے انھوں کے تئیں

اس باغباں کو میری اسیری کا کیا الم ۔ اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو

پھر اس قسم کے متروکات فغاں کے یہاں بہت ہی کم ہیں، عام طور سے دیوان شروع سے آخر تک سلاست اور فصاحت سے بھرا ہوا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے ہم عصر شعرا میں بہت ممتاز ہیں ان کے معاصر انعام اللہ خاں یقین کا طرۂ امتیاز یہ ہی کہ انھوں نے ریختہ کو بہت ہی شستہ بنایا مصحفی یقین کے بارے میں لکھتے ہیں،

در دورۂ ایہام گویاں اول کسے کہ ریختہ را شستہ ورفتہ گفتہ ایں جواں بود بعد ازاں تتبعش بہ دیگراں رسید ۔ (ص ۲۷۵)

اسی طرح یقین کے ذکر میں تذکرہ فتح علی بیں ہی،

بے اغراق ریختہ گوئی بر طاق بلند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ (ص ۱۴۶)

صاحب گل رعنا بھی اپنی خوش عقیدگی کے جوش میں رقم طراز ہیں کہ اگر یقین جیتے رہتے، تو میر ہوں یا مرزا ہوں کسی کا چراغ ان کے سامنے نہیں جل سکتا تھا،

مگر ان خوبیوں کے باوجود یقین کے یہاں بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں متروک ہو چکے تھے، مثلاً جگہ کے بجائے جاگہ[1]، رکھنا کے بجائے راکھنا[2]۔ لگنا کے بجائے لاگنا[3]، سے کے بجائے ستی اور سیتی[4]، جلنا کے بجائے

۱؎ تیری جاگہ اگر پتھر بھی ہوتا، آب ہو جاتا ۔ پھٹی چھاتی کو میری دیکھ کر وہ طور رو دیتا

۲؎ کسی کا کبھو راکھا کر و دل تم کو لازم ہی ۔ وگرنہ دلربا ؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

۳؎ رشک سے لاگے ہی پروانہ کے جیسے تن کو آگ ۔ لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ

۴؎ منہ پھیر نہ نالہ سے آنسو سے نہ موڑ آنکھیں ۔ اتنا بھی یقیں مت ہو اپنے سیتی بیگانہ

ہاتھ سیتی جا چکا جب یار تب آئی بہار ۔ پی کے مے تنہا کوئی دھوم مچاوے کس طرح

جیونا[۱]، جاننا کے بجائے بوجھنا[۲]۔ ادھر کے بجائے ایدھر[۳] اور کدھر کے بجائے کیدھر[۴] استعمال کئے گئے ہیں، اس کے برخلاف فغاں کے یہاں یہ متروکات بالکل نہیں پائے جاتے اگر ان کے دیوان پر نظر ڈالی جائے تو متروکات کی جگہ نئے ترشے ہوئے الفاظ ملیں گے

فغاں نے قلعہ معلیٰ کی چہار دیواری میں پرورش پائی تھی اس لئے فطری طور پر ان کی زبان میں اردوے معلیٰ کی گھلاوٹ ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز ہیں یقین کی ایک مشہور غزل ہے،

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے | اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری لاش کی تشہیر ہے ضرور | آئندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے
جو کوئی عرض حال کرے تجھ سی مرا | اول بیان واقعہ کربلا کرے
خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے | زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

---

[۱] عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی | بوالہوس جیویں مریں ہم اے محبت واہ واہ

[۲] کم نہیں ہم بوجھتے کعبہ سے میخانے کتئیں | سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے کتئیں

[۳] دلوں پر برق سی گرتی تھی جب ہم نالہ کرتے تھے | گئیں کیدھر نہیں معلوم ان آہوں کو تاثیریں

[۴] فغاں کے یہاں "سے" کے بجائے "سیتی" صرف ایک دو جگہ استعمال ہوا ہے

واہوا گر کبھی میرا محبوب مجھ سیتی | اٹھ جاویں درمیان سے پردے حجاب کے

محمد حسین آزاد نے آب حیات (ص ۱۱۷) میں "پالیاں" "جالیاں" کے قوافی والی جو غزل نقل کی ہے اس میں ایک جگہ "سے" کے بجائے "سیں" ہے لیکن میرے پیش نظر قلمی نسخہ میں "سے" ہی ہے،

ہوتا ہی خاک راہِ وفا بے گماں یقیں   ہی دل میں یہ کہ شرطِ محبت ادا کرے[لہ]

فغاں نے بحر بدل کر اسی قافیہ اور ردیف میں جو طبع آزمائی کی ہی وہ بھی ملاحظہ ہو:

یار اگر جفا کرے چاہیئے دل وفا کرے   یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

ہر طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی   جیب و کنار تر رہی خونِ جگر بہا کرے

کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو   کاش یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے

جو کوئی عشق باز ہو چاہیئے وہ گداز ہو   شعلۂ دل فراز ہو شمع صفت جلا کرے

تو تو فغاں ہی پیرِ دیر پاتے ہیں تجھ سے لطف سیر   کوئی جیے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

یقیں کا شاعرانہ کمال اپنی جگہ پہ لیکن زبان کی جو صفائی اور روانی فغاں کے یہاں ہی وہ یقیں کے ہاں نہیں۔ دونوں کے ملتے جلتے مضامین کے کچھ مفرد اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

یقیں   بہار آئی ہی کیا کیا چاک جیب پیرہن کرتے   جو ہم بھی چھوٹ جاتے اب تو کیا دیوانہ پن کرتے

فغاں   بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہی   مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں

یقیں   آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقیں   گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

لہ اس غزل کا پہلا دوسرا اور چوتھا شعر سودا کی طرف بھی منسوب ہی دیکھو کلیات سودا ص ۴۰۰ نول کشور پریس لکھنؤ۔ خاں بہادر محمد شفیع (لاہور) کے نسخے میں اس قافیہ اور ردیف کے ساتھ فغاں کی ایک اور غزل ہی جو شاید ان کو خود پسند نہ ہوئی۔ اس کے بعض اشعار یقیں اور سودا سے ملتے جلتے ہیں مثلاً

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے   تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہمارے نعش کو تشہیر ہے ضرور   آئندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوبرو   زاہد تجھے قسم ہی جو تو ہو تو کیا کرے

فغاںؔ: مجھ سے ہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفلِ اشک ۔ لختِ جگر کو گود میں جب تک کہ بھر نہ لے
یقینؔ: آپ سے جب تک نہ تھا واقف کہاں تھا یہ شکوہ ۔ دیکھتے ہی آئینہ میں منہ سکندر ہو گیا
فغاںؔ: دل میں فغاں کے ہم نے عکسِ دوئی نہ دیکھا ۔ آئینہ سکندر کیا اس کے روبرو ہو

اس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق یقینؔ کے کلام میں بعض جگہ تعقید[۱]، عجیب وغریب ترکیب[۲] اور قافیے میں ناہمواری[۳] بھی پائی جاتی ہے، لیکن فغاںؔ کا دیوان ان معائب سے پاک ہے، البتہ "نے" کے استعمال میں فغاںؔ نے قدیم نحوی طریقہ اختیار کیا ہے، جس سے موجودہ ذوق کے مطابق زبان میں کچھ ثقل پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

اے شیخ میں کل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو ۔ اس وقت خدائی سے بھی بیزار بیٹھا ہوں

ایک جگہ "انھوں" کے استعمال میں بھی ثقل پیدا ہو گیا ہے

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض ۔ ہائے تو ان کی غلط ہے بد انھوں کا ہے شعار

لیکن ان ایک دو باتوں کو نظرانداز کر دیجیے تو پھر زبان میں روانی اور صفائی اس قدر پائی جاتی ہے کہ بعض غزلوں پر بقول استاذی مولانا عبدالسلام ندوی، داغؔ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، مثلاً

مفت سودا ہے کا رے یار کہاں جاتا ہے ۔ آمرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
کج کلہ، تیغ بکف، چیں بر ابرو، بے باک ۔ یاالٰہی یہ ستم گار کہاں جاتا ہے

---

[۱] مثلاً: کہاں سکتے ہیں چڑھ منہ پر بتاں ناز و تکلیف کے ۔ کہ ہیں ہم مہر کے بے خرچ مفلس ہیں ان دین کے

[۲] " شکن مشتاق دل میرا ہوا ہے سخت سودائی ۔ جہاں یہ دیکھتا ہو سنگ وہاں کرتا ہے پہنائی

[۳] زور، شور کے قافیہ کے ساتھ چوڑ اور کروڑ بھی استعمال کیا ہے، دیکھو دیوان یقین ص ۱۶ انجمن ترقی اردو

ساغر ہو اور مینا، صہبا ہو اور سبو ہو — جم جم رہے یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو
منظور عشق یہ ہے عشاق پا شکستہ — محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو

اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے — آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے
ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب — کھلتی نہیں ہے چشم تو مارے خمار کے
ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے — یہ دل بھی دل نہ ہوئے جو تجھ کو دعا نہ دے
تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہائے فغاں — الفت بری بلا ہے، کسی کو خدا نہ دے

فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح بعض ترکیبیں تو بہت ہی دلپذیر اور دلکش ہیں، مثلاً کاروان اشک، طفل اشک، دامن صحرا، داغ جنون، خاکپائے، چراغ آتش کدۂ دل، تشنۂ عشق، گرفتۂ دل، صف مژگاں وغیرہ مگر کہیں کہیں موجودہ ذوق کے مطابق گراں ہو گئی ہیں، مثلاً

بہ رنگ طائر بسمل موئے یہ کشتۂ عشق — کسی نے غم نہ کیا خاک و خوں طپیدوں کا
دہن کو دیکھ تیرے ہونٹ چاٹتے رہ گئے — بھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

ایسی ترکیبیں اس زمانہ کے شعراء کے یہاں عام ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کو اس قابل بنایا جا رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار اچھی طرح ہو، فارسی سامنے تھی اس لئے اس زبان کی ترکیبیں اور محاورے بکثرت منتقل کئے جانے لگے ان میں سے اکثر تو اردو شاعری کے رخ زیبا کی زینت بن گئے، لیکن بعض کھپ نہ سکے، انہی میں فغاں کی مذکورۂ بالا ترکیبیں ہیں، اسی طرح فارسی محاورات کو اردو میں رائج کرنے کی کوشش میں ایک جگہ ایسا محاورہ بھی استعمال ہو گیا ہے جو آج غیر فصیح معلوم ہوتا ہے،

یار برباد تو دیتا ہے مرے خون کو لیک — نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

فغاں نے فارسی کے محاورہ بر باد دادن سے برباد دینا استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن اردو میں برباد کرنا رائج ہوا مگر اس قسم کے محاورے شاید ایک آدھ ہی ہیں ورنہ عام طور سے تمام محاورات موجودہ مذاق کے مطابق ہیں،

الفاظ کی بندش فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح الفاظ کی بندش بھی چست اور لطیف ہے، مثلاً

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے — چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے
لخت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک — گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے
رسوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لئے — اس داغ دار دل کو پھروں میں کہاں لئے
وا ہوں بہ رنگ گل جو سخنداں ملے کہیں — غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے
اس قافلہ کے بیچ صدائے جرس نہیں — جاتی ہے سیل اشک عجب کارواں لئے
کیوں کر کوئی زیارت زخم جگر کرے — پردے اٹھے نہیں ہیں دل داغ دار کے
طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم — یہ نہ ہو شئے کہ مرا آبلۂ دل پھوٹے
کر دیا وقف مرے کلبۂ احزاں کو فغاں — خوان یغما کے یہ معنی ہیں جو چاہے لوٹے

بندش پر ردیف کے اثر کی مثال ملاحظہ ہو:

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب تو یہ ہے — گر زشت ہے تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے
پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دوں — معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہے تو یہ ہے
اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا — ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہے تو یہ ہے
لخت جگر فغاں نے اب نامہ بر کیا ہے — پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

الفاظ کی بندش کی چستی سے کہیں کہیں بقول مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کلام میں موسیقیت اور کہیں کہیں تشابہ پیدا ہو گیا ہے پہلے موسیقیت کی

مثالیں ملاحظہ ہوں:

نے شعلہ ہوں نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں　　میں عاشق دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں
زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک　　میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ اُدھر ہوں

قاتل کے دم تیغ سے یہ بوالعجبی ہے　　بسمل کی زباں پر طپش تشنہ لبی ہے
آنکھیں ترے پاؤں سے لگیں عین سعادت　　دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہے

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا　　پھوٹے نہ اس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک　　تر اس قدر ہے کاہیکو دامن سحاب کا

اس دل کو الٰہی کیوں آسیب نہ پہنچے　　میں ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشہ میں پری ہے
صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنا دے　　دل توڑنا یہ کون فن شیشہ گری ہے
ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں　　اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے
کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو　　بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

اس کے بعد تشابہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہ نہیں سکتا　　رہوں تو رہ سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا
یہ موج اشک میری صورت زنجیر رکھتی ہے　　جلوں تو جل نہیں سکتا بہوں تو بہ نہیں سکتا

تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی تھی　　مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر رات رونا تھا

تجھ سے رقیب ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت　　ہم یوں رہیں ترستے یہ بھی خدا کی قدرت

جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت
دل دوں میں روتے روتے یہ بھی نصیب میرے

فغاں کے الفاظ کی بندش کی داد موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی دی ہے، محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "ان کے الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے"، مولانا عبدالسلام ندوی رقم طراز ہیں کہ ان کی بندش کی چستی ان کی زبان کی سلاست اور روانی کو اور دوبالا کر دیتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ بندش کی چستی نے بعض جگہ فغاں کی ترکیبوں میں نہایت تشابہ اور توازن پیدا کر دیا ہے اس لئے کلام میں روانی کے ساتھ موسیقیت بھی پیدا ہو گئی ہے جو کانوں کو نہایت خوش آیند معلوم ہوتی ہے'

بقول مصنف گل رعنا متوسطین شعرا کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ "جو عاشقانہ مضامین غزلوں میں بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے تھے ان کو بہ تبدیل الفاظ اور بتغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ میں خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ بار بار پڑھیے اور مزے لیجئے"۔ یہ خصوصیت فغاں کے یہاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے پیش نظر دیوان کی تمام غزلیں اس کی بین مثالیں ہیں، فغاں کی شاعری میں مضامین کی بلندی یا خیالات کی ندرت نہیں بلکہ اس میں عشق و عاشقی کے وہی پرانے قصے ہیں جن میں صرف زبان کی صفائی کا لطف ہے اس کا اندازہ ناظرین ان کے اشعار سے کر سکتے ہیں'

فغاں کے قطعات فغاں نے کثرت سے قطعات بھی لکھے ہیں عام طور سے قطعہ میں کوئی حکیمانہ خیال یا اخلاقی سبق ہوتا ہے، لیکن شعرائے متقدمین و متوسطین نے بعض قطعوں میں کسی مرکب خیال کو ظاہر کیا ہے اور رنگ تغزل ہی کا قائم رکھا ہے اس لیے یہ قطعات گویا مسلسل غزلوں کا مجموعہ ہی ہو گیے ہیں' فغاں کے قطعات بھی اسی رنگ کے ہیں' ان کے

قطعات میں حکمت و اخلاق کے مسائل اور پند و نصائح کے مضامین نہیں بلکہ عاشق کی ناکامی، بے چارگی اور معشوق کی بے دردی، و لاپروائی اور بے اعتنائی کی داستان ہے، لیکن ان میں بعض ایسی سچی تصویریں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فغاں کے خود قلبی "تاثرات اور ذاتی" واردات ہیں،

ایک عاشق کی زبوں حالی ملاحظہ ہو،

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں — یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا
اس سال مجھ کو دیکھ غزالاں نے یوں کہا — منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا
جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشیں ہے بید — مجنوں کے خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

شب فرقت کی جانگداری دیکھئے

سوئے شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ ہے خیال محض وہ بیدار ہی رہا
کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک — تکتا ہوا سدا در و دیوار ہی رہا

اس خیال کو ایک دوسرے قطعہ میں اس طرح باندھا ہے

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو — کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کر سو سکا

بعض جگہ یہی مضامین سوز و غم کی ہو بہو تصویر بن گئے ہیں،

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا نہیں — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

پھر اس قطعہ میں معشوق کی جفا اور عاشق کی حسرت و یاس کا کیسا موثر بیان ہے،

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — یوں بھی گذر گئی مری دوں بھی گذر گئی

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بھی کھینچا ہی،

خونِ دلِ غریب کو پیتا ہوں ہر سحر ۔۔۔ لختِ جگر تو آذقۂ شام ہو گیا
اپنی کہو اے ہم سفران رہِ عدم ۔۔۔ میرا تو ہر طرح سے سر انجام ہو گیا
کیوں کر شفا نہ ہو دلِ بیمار کو فغاں ۔۔۔ یہ اشک چشم روغنِ بادام ہو گیا

ایک جگہ صوفیانہ مضمون بھی ہی، مثلاً

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا ۔۔۔ کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور ۔۔۔ تیری تسبیح غلط ہی تیرا زنار عبث

رباعیات فغاں کی رباعیات میں بھی وہی عاشقانہ مضامین ہیں جو ان کے جذبات کی پختگی اور قادر الکلامی کی واضح مثالیں ہیں، ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں،

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے ۔۔۔ مژگاں میں دُرِ اشک پروتے رہتے
بے خندۂ یار کیا ہی گریہ میں مزا ۔۔۔ ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم ۔۔۔ دردِ شبِ ہجر جی سے کھونا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ ۔۔۔ رونا تو نصیب میں ہی سونا معلوم

فغاں اور ان کے معاصرین اوپر کی سطروں میں ہم نے فغاں کی شاعری کی توصیف اس لئے نہیں کی ہی کہ ہم کو ان کا دیوان ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہی، بلکہ یہ محض ان کے کمال کا اعتراف ہی جس کی داد فغاں کے معاصرین اور بعد کے ناقدین نے دل کھول کر دی ہی میرؔ سے خراجِ تحسین حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، یقین جیسے" باکمال شاعر کے بارے میں میرؔ لکھتے ہیں،

"بعد از ملاقات ایں قدر خود معلوم شد کہ ذائقہ شعر فہمی مطلق ندارد
جمعے بر ایں اتفاق دارند کہ شاعری او خالص از نقص نیست"[1]

لیکن فغاں کے ذکر میں رقم طراز ہیں کہ

بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ را خوبی می گوید گاہے فکر
غزل فارسی ہم می کند"[2]

فغاں کے مندرجہ ذیل دو شعر میر صاحب کو بہت پسند آئے ہیں،[3]

ساقی نہیں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا — دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوارہ پریشاں و شکستہ دل و بدنام — سنتے تھے فغاں جس کو آج ہی نظر آیا

میر کا فغاں کو پسند کرنا ایک لحاظ سے فطری تھا کیونکہ بعض جگہ ظاہری اور معنوی حیثیت سے فغاں کا کلام میر سے باہم ملتا جلتا ہے، مثلاً

رونا جہاں تلک تھا میری جان رو چکا — مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں
باور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے — آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

بہار آئی میرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے — مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
لب خنداں کو میری دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے — میں ہنس ہنس غم کو گل کی روش برباد کرتا ہوں

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کی وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

---

[1] نکات الشعراء، ص ۱۲۰ [2] ایضاً ص [3] نکات الشعراء ص ، پیش نظر دیوان میں یہ دو شعر اس طرح درج ہیں،

مے واسطے ساقی نہ میں آپ چشم تر آیا — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
حیران و پریشان و دل افگار و قبا چاک — سنتے تھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا — لیکن مرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا

پہنچا گیے مجھے ترے در تک یہ سیل اشک — اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

مندرجہ بالا اشعار میں میر کی زبان اور سوز و گداز کا کتنا صحیح مرقع ہے،

مرزا سودا بھی فغاں کے بہت ہی معتقد تھے، مجموعہ نغز میں ہے کہ

"مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستائش دیوانش کردہ"

فغاں نے اپنے ساتھ سودا کی عقیدت مندی کا اعتراف خود کیا ہے،

فغاں کون اب خریدار سخن تھا — اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

سودا نے اپنے جوش عقیدت میں فغاں کے "قطعات پر قطعات لکھے اور ایک ایک شعر پر لمبے لمبے قطعات لکھے ہیں، مثلاً فغاں کے ایک قطعہ کا ایک شعر ہے،

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا — تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

اس پر سودا نے جو قطعہ لکھا ہے وہ گو ذرا طویل ہے لیکن دلچسپ ہے، اس لئے ہدیہ ناظرین ہے،

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے — جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر ہوئی

سن اے فغاں جہاں میں عاشق جو ہو گیا — معشوق کے اسے روش اس کی گذر گئی

شیریں نے جو رکب نہ کیا کوہ کن کے ساتھ — مجنوں پہ کیا جفا تھا کہ لیلےٰ نہ کر گئی

گل ہی پڑے سسکتے تھے بلبل چمن کے بیچ — ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی

پروانہ رات شمع سے اتنی جلی کہ صبح — خاکستر اس کی لے کے صبا دوش پر گئی

ہیں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مرے — آوازہ آہ و نالہ ترے گھر بہ گھر گئی

حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری — رونے سے تیرے ابرو کے ابر تر گئی

لو ہوئے تیرے سر کے ہی دیوار گھر کی سرخ — آنکھوں سے موج خون کی بیرون در گئی

دل کو ترے نہیں ہے اگر تاب درد ہجر — تو کار عشق سے تو مرے لال کر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے کہا کہ خیر تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی
شیریں کی ایک میں نہ رکھوں ورنہ بار ہا لیلےٰ جدھر تھی وادی مجنوں ادھر گئی
یاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی
جاری ہوا تھا خوں رگ مجنوں سے وقت فصد لیلےٰ کے پوست بال اگر نیشتر گئی
ظالم کرہ رگل کا گریباں ہوا ہی چاک اک عندلیب گر اجل اپنے سے مر گئی
پروانہ کو نسا نہ جلا شام کو شمع روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھ کو کیا مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت کدھر گئی
میرے لہو سے میری دیوار گھر کی سرخ میری ہی موج خوں میری بیرون در گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

فغاں کا ایک دوسرا قطعہ ہے

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تونے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو کیوں کم پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

اسی کی تقلید میں سودا نے بھی ایک قطعہ لکھا ہے

اے دیدہ خانماں تو ہمارا ڈبو سکا لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
تجھ حسن نے دیا نہ کبھی چین فتنہ نہ تیرے دور میں بھر نیند سو سکا
جوں شمع تن ہوا شب ہجراں صرف اشک پہ جس قدر میں چاہی تھا اتنا نہ رو سکا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز اے رو سیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فغاں کی ایک غزل کا مطلع یہ ہے:

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

اس پر بھی سودا نے ایک قطعہ لکھا ہے

نامہ لکھا تھا یار کو میں یہ سمجھ کے ہے | عالم میں رسم نامہ و پیغام ہر کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار | نکتہ ہو اس میں حرف تمنا سے گر کہیں
واں لا کے مجھ کو مارے گردن کہ جس جگہ | پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو | آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہے نامہ گلی میں کسی طرف | دھڑ سے جدا پڑا ہے سر نامہ بر کہیں
وقتیکہ دلبران جہاں کا ہو یہ سلوک | پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

کہیں کہیں تو سودا کے بعض اشعار فغاں سے بالکل ملتے جلتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی جذبات سے متاثر ہو کر کہا ہے، بات یہ تھی کہ سودا کو فغاں کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی تھی، اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے ایسی حالت میں ان کے بعض اشعار کے مضامین فغاں سے مل گئے ہیں تو کیا تعجب ہے۔

فغاں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے
کیا اڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہیں
نے داد خواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں
خستہ جگر ہوں چاشنی غم چشیدہ ہوں
اے فغاں درد دل سنوں کب تک
اڑ گئی نیند اس فسانے سے

سودا

میری طرف سے دیجیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پر بال و پر نہیں
کیوں مجھ سے بے گناہ کو ناحق کرے ہے قتل
اے یار تیرے دل میں خدا کا بھی ڈر نہیں
نے بلبل چمن نہ گل نودمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

فغاں کی تقلید میں سودا کا قطعات اور غزلیں کہنا ان کے باکمال شاعر ہونے کی بین دلیل ہے محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "فغاں کے باکمال شاعر ہونے کی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ مرزا رفیع جیسے صاحب کمال اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے حقیقت میں مرزا کا خود بھی یہی انداز تھا، کیونکہ ان کے کلام میں بھی ہندی کے محاورے نے فارسیت کے ساتھ نئے لطف کے ساتھ پختگی پائی اور ہر خیال کو لطافت اور چوچلے کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔" مولانا عبدالسلام ندوی بھی رقم طراز ہیں کہ "فغاں شاعرانہ حیثیت سے میر اور سودا کے ہم پلہ و ہم مرتبہ تھے۔"

مگر میر اور سودا کی مختلف حیثیت سے اردو شاعری میں جو جگہ ہے، اس لحاظ سے فغاں کو ان کا ہم پلہ و ہم مرتبہ کہنا ذرا مشکل ہے، یہ دونوں اساتذہ سخن اپنی ندرت خیال، طرز بیان اور قدرت زبان کے لحاظ سے اپنا جواب نہ رکھتے تھے فغاں کے یہاں نہ میر کا سوز و گداز ہے اور نہ سودا کا جوش و خروش ان کے یہاں صرف زبان ہے اور زبان میں شگفتگی، ہمواری اور موسیقیت ہے اور شاید اپنی زبان کی شگفتگی کی خاطر انھوں نے غزلوں میں شگفتہ طرحوں کے سوا کوئی اور طرح اختیار نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شروع سے آخر تک یک رنگی، ہمواری اور توازن ہے۔

البتہ اس حیثیت سے فغاں کو میر اور سودا کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے کہ میر کی غزلوں پر اس اعتراض کا کہ "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند۔" آج تک کوئی جواب نہ ہو سکا۔ سودا بھی اس الزام سے بری نہیں ہیں لیکن استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ "اس اعتراض سے صرف خواجہ میر درد اور فغاں کا کلام بالکل محفوظ ہے۔" اس رائے کی تائید

پیش نظر دیوان بے حرف بحرف ہوتی ہے جس کی مثالیں دینا ضروری نہیں ہے، چند غزلوں کو چھوڑ کر ناظرین شروع سے آخر تک دیوان میں توازن اور یک رنگی پائیں گے،

فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں
کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

میر و مرزا کے علاوہ فغاں کے معاصر شیخ محمد قیام الدین قائم نے بھی ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہے،

سلیقہ سخن سنجی درست دارد، چناں چہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است[1]"

میر قدرت اللہ قاسم (۱۲۴۶ھ – ۱۱۶۶ھ) جنھوں نے فغاں کا زمانہ دیکھا تھا اپنے مجموعہ نغز میں رقم طراز ہیں،

"شعرش پختگی تام دارد، سر آمد سخن سنجان فصاحت امام مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستائش دیوانش می کرد[2]"

گلزار ابراہیم کا مصنف اپنے تذکرہ (نوشتہ ۱۱۹۸ھ) میں فغاں کو شیریں کلام لکھ کر کہتا ہے کہ "نظم ریختہ میں طبیعت ان کی رسا ہے[3]"

مصحفی (۱۲۴۰ھ – ۱۱۵۶ھ) لکھتے ہیں، "شعر را بہ صفائی تمام می گوید[4]"

تلامذۂ فغاں مختلف تذکروں میں فغاں کے شاگردوں کے صرف ایک دو نام ملے ہیں۔ ان میں میر وارث علی نالاں کے متعلق سخن شعرا مولفہ عبد الغفور نساخ میں ہے:

---

[1] مخزن نکات ص ۴۲ [2] مجموعہ نغز حصہ دوم ص ۲۷ [3] گلشن ہند ص ۱۳۰ [4] تذکرہ ہندی ص ۱۷۰

"نالاں تخلص میر وارث علی ولد میر ارزانی، باشندۂ بہار (یعنی بہار شریف) شاگرد اشرف خاں فغاں صاحب دیوان" (ص ۵)

اس کے بعد نالاں کے حسب ذیل دو شعر منقول ہیں۔

یک بیک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا
لوگ حیران ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا
مجھ کو میری ہی بدگمانی نے

گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو) میں نالاں کے متعلق حسب ذیل معلومات ہیں:

نالاں عظیم آبادی میر وارث علی خلف میر ارزانی، موطنش قصبۂ بہار است اما سکنے در عظیم آباد اختیار کردہ بسرداری شیشہ گراں اعتبار دارد، جوان سنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان مرزا اشرف علی فغاں ست، الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و پنج ہجری در ہمان بلدہ بسر می برد" (ص ۲۴۵)

نساخ نے سخن شعراء میں نذر علی خاں گماں کو بھی فغاں کا شاگرد بتایا ہے،

"گماں تخلص نظر علی خاں دہلوی، شاگرد اشرف علی فغاں مقیم فیض آباد (ص ۴۰۳)

مگر تذکرۂ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں گماں کا ذکر فغاں کے دوستوں میں کیا گیا ہے، گلزار ابراہیم میں ہے،

"گماں دہلوی، نظر علی خاں از دوستاں اشرف علی فغاں ست دریں زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ ست شنیدہ شد کہ در فیض آباد بسر می برد" (ص ۲۰۷)

"تذکرۂ میر حسن میں ہے:

شاعر شیریں بیان میاں نذر علی خاں المتخلص بہ گماں مردیست سپاہی پیشہ از یاران کو کہ خاں فغاں اصلش از شاہ جہاں آباد است مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ می گوید مگر خوبی دارد، روزگار موافق زمانہ موافق است در فیض آباد بسر می برد، از بسکہ مشاق است در روانی طبع دارد، کلاش خامی از اثرہ ملیت خدایش بسلامت دارد۔"

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ۲۶ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ہم اپنے ناظرین کے لئے بھی پیش کرتے ہیں:

فصلِ گل سے بھر ہوا اب گرم بازارِ چمن
مشت پر لے کر ہوئی بلبل خریدارِ چمن

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل
اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

جستجو جس کی میں کرتا تھا خدائی کے بیچ!
دل ہی میں اس کا مکان تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کر مجھ کو مری نعش پہ بولا قاتل
ہائے یار و یہ گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جس دم تو مجھ سے آکے ہم آغوش ہو گیا
غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہو گیا

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں
وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

موجودہ دور میں فغاں کی تحسین

موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی فغاں کی قدردانی کم نہیں کی۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق نے فغاں کے دیوان کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ محمد حسین آزاد نے جب اس دیوان کو پڑھا تو ان کی آنکھیں روشن ہو گئیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ فغاں کی زبان اسی زمانہ کی زبان ہے مگر فن شاعری کے اعتبار سے نہایت بااصول اور برجستہ تھے اور الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے...... ان کی طبیعت ایشیا کی شاعری کے لئے نہایت موزوں تھی۔[۱] مولانا عبدالحی نے فغاں کو "شعر و سخن کا ماہر" کہا ہے۔[۲] نواب علی حسن خاں صبح گلشن میں رقم طراز ہیں کہ "بدقایق و نکات شعر و شاعری فارسی و اردو بخوبی آگاہ"۔[۳] استاذی مولانا عبدالسلام ندوی مصنف شعرالہند نے تو ان کو میر اور سودا کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ قرار دیا ہے۔[۴]

فغاں کی گمنامی کا سبب

مگر افسوس ہے کہ ایسے باکمال استاد کے دیوان سے اب تک ارباب ذوق ناآشنا ہیں اور فغاں اتنے مشہور نہ ہو سکے جتنے کے وہ مستحق تھے، مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ کا خیال ہے کہ فغاں اگر مرشد آباد اور عظیم آباد کے بجائے دہلی یا لکھنؤ ہی میں مقیم رہتے تو ان کو بھی شہرت حاصل ہوتی جو میر کو تھی، وہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت مرشد آباد اور عظیم آباد بھی اگرچہ شاعری کے مرکز ہو گئے تھے، تاہم شہرت کے جو اسباب لکھنؤ میں جمع ہو گئے تھے وہ ان مقامات میں کہاں میسر آ سکتے تھے، اس لئے قدرتی طور پر شہرت کے جو سامان میر وغیرہ کو حاصل ہوئے اس سے اشرف علی خاں محروم ہو گئے۔"

فغاں کے مشہور نہ ہونے کی وجہ تو یہ ہو سکتی ہے لیکن ان کا دیوان اب تک طباعت اور اشاعت سے محروم رہا، حالانکہ ہر دور کے معمولی معمولی شعراء کے دواوین شائع ہو چکے ہیں ان کے دیوان کے نہ طبع ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آجکل

---

[۱] آبحیات ص ۱۴۷ [۲] گل رعنا ص ۱۱ [۳] صبح گلشن [۴] معارف نمبر ۴ جلد ۹

یہ بہت ہی کمیاب ہے۔ ۱۹۲۲ء میں کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ (صوبہ بہار) کے ناظم جناب سید ابوالکمال عبدالحکیم صاحب نے اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی (دار المصنفین اعظم گڈھ) کے پاس بھیجا۔ مولانا موصوف نے معارف اپریل ۱۹۲۲ء میں اس نسخہ پر ایک مختصر لیکن جامع تبصرہ تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا کہ "یہ بہترین یادگار اس قابل ہے کہ اس کو نہایت محنت کے ساتھ اڈٹ کر کے عام طور پر شائع کیا جائے" لیکن افسوس اب تک اس کی نوبت نہ آئی شاید یہ سعادت راقم سطور کے لئے مقدر تھی۔ ۱۹۳۸ء میں راقم حروف نے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ سے دیوان کے نسخہ مذکور کو حاصل کر کے اس پر اپنی محدود لیاقت و صلاحیت کے مطابق ایک مفصل مقدمہ لکھنے کی کوشش کی جو اس وقت ناظرین کے زیر مطالعہ ہے، جب یہ مقدمہ تمام ہوا تو اس کو بطور استفادہ اردو زبان کے سب سے زیادہ بلند پایہ ناقد اور وسیع النظر ادیب یعنی مکرمی ڈاکٹر عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کی خدمت میں ارسال کیا، ڈاکٹر صاحب موصوف نے مقدمہ پڑھ کر پسند کیا اور اپنے ایک نوازش نامہ میں ازراہ لطف و کرم اس مقدمہ کو فغاں کے دیوان کے ساتھ اپنی انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرنے کا وعدہ فرما کر میری ہمت افزائی کی، لیکن دیوان فغاں کا صرف ایک ہی نسخہ میرے پاس تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب زاد لطفہ نے اس کے اور نسخے بھی فراہم کرنے کی امیدیں دلائیں، لیکن ۱۹۳۸ء سے ۱۹۴۲ء تک ڈاکٹر صاحب قبلہ کو کوئی اور نسخہ کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکا راقم السطور نے بھی اپنی معلومات کی بنا پر متعدد جگہ خطوط لکھے لیکن ہر جگہ سے مایوسی ہوئی بالآخر ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک عنایت نامہ مورخہ ۲۷ فروری ۱۹۴۲ء میں مجھ کو ارقام فرمایا کہ دیوان فغاں کا مزید نسخہ کہیں نہیں ملا جو ہے اسی کو چھاپ دینا چاہیے مگر خلاف توقع فوراً ہی خبر ملی کہ پنجاب یونیورسٹی میں دیوان فغاں

کے دو نسخے موجود ہیں بالآخر پنجاب یونیورسٹی سے خط و کتابت کر کے دونوں نسخے یکے بعد دیگرے باضابطہ حاصل کئے جس میں کافی دیر لگی۔

پنجاب یونیورسٹی کا ایک نسخہ تو کتب خانہ الاصلاح دیسنہ (پٹنہ) سے بالکل مشابہ ہے، دونوں میں کہیں کہیں جو اختلاف ہے اس کا ذکر دیوان کے مطبوعہ اڈیشن کے حواشی میں کر دیا گیا ہے، دونوں میں ایک ہی کاتب کا خط معلوم ہوتا ہے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ کے نسخہ میں کاتب کا نام نہیں مگر پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں کاتب کا نام آخر میں سلطان علی مرقوم ہے کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے ابتدائی ورق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ایک انگریز کیا مت جنگ جیمس ولیم کلکٹر گورکھپور نے اپنے کسی اہلکار کو تحفتہً دیا تھا، پھر اتفاقاً یہ بشیر الحق صاحب بیدل ساکن دیسنہ ضلع پٹنہ (فی الحال پنشن یافتہ سب انسپکٹر آف پولیس) کے ہاتھ آیا جن کو اردو ادب سے گہرا ذوق اور کتابوں کے جمع کرنے کا غیر معمولی شوق ہے انھوں نے اس نسخہ کو اپنے محبوب وطن کے کتب خانہ کی نذر کیا، اس نسخہ میں فارسی کلام کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک کوکہ خان بہادر سلمہ اللہ والرحمان مالکہ"

اردو کلام کے آخر میں بھی یہی عبارت صرف چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان مالکہ"

پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں بھی دونوں جگہ یہ عبارتیں درج ہیں دونوں نسخوں میں دیوان کا خاتمہ کاتب کی ہجو پر ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے،

یہ جو میرا ہی راقسم دیوان — تحفہ نسخے کا بھولا بھالا ہی
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن — ہوش جس روز سے سنبھالا ہی
ہائے سوز سے دہ لکھے ہی خنا — آپ کا رسم خط نرالا ہی
قاتل طبع زاد ہی ظالم — میں نے دشمن بغل میں پالا ہی
زندگی ہی میری سخن جس کو — سہو کاتب نے مار ڈالا ہی

یہ قطعہ اس بات کی دلیل ہی کہ فغاں نے اپنے دیوان کی کتابت اپنی زندگی ہی میں کرائی اور پیش نظر دونوں نسخے شاید اسی نسخہ کی ہو بہو نقل ہوں ان نسخوں میں فغاں کے جو اکارسخن ہیں وہ شاید ان کے منتخب کردہ ہیں۔ ان دونوں نسخوں میں شروع میں ۲۶ ورق یعنی ۵۲ صفحے فارسی غزلیں اور ایک ہجو ہی اس کے بعد اردو کلام ہی، راقم الحروف نے فغاں کے اردو کلام کی اہمیت کے خیال سے زیر نظر مطبوعہ نسخہ میں اردو کلام کو مقدم اور فارسی کلام کو موخر کر دیا ہی دونوں نسخوں میں اردو کلام کے مجموعہ میں غزلوں کے علاوہ شروع میں تین قصیدے ہیں جو جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام علی موسیٰ رضا کی مدح و منقبت میں لکھے گئے ہیں، غزلوں کے ساتھ جا بجا قطعات ہیں آخر میں چند رباعیاں متفرق اشعار، مخمس اور ہجویں ہیں۔ اردو کلام ۷۳ ورق یعنی ۱۴۶ صفحے پر پھیلا ہوا ہی محمد حسین آزاد نے شیخ ابراہیم ذوق کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو دیوان فغاں دیکھا تھا وہ صرف غزلوں کا مجموعہ اور حجم میں دیوان درد سے بڑا تھا، لیکن دیوان فغاں کے جو نسخے اس وقت پیش نظر ہیں وہ درد کے دیوان سے زیادہ ضخیم ہیں اور ان میں غزلوں کے علاوہ اور بھی اصناف سخن ہیں،

پنجاب یونیورسٹی کا جو دوسرا نسخہ دستیاب ہوا وہ دراصل خان بہادر محمد شفیع کی ملکیت ہی، یہ نسخہ خوش خط تو ضرور ہی مگر بے حد غلط ہی ۴۲ ورق یعنی ۸۴ صفحے پر

فغاںؔ کی غزلیں لکھی ہیں، اس کا کاتب مذکورۂ بالا دونوں نسخوں کے کاتب سے جدا معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں "مالک کتاب خدا بخش خواجہ لاہوری" درج ہے، اس نسخہ کی حسب ذیل غزلیں اور غزلوں کے کچھ اشعار مذکورۂ بالا دونوں نسخوں میں نہیں ہیں

رات کو بزم میں جو غیر ترے بار رہا — یہ فغاں سر کو پٹکتا پس دیوار رہا
نہ اٹھا پردۂ غفلت نہ تجلی دیکھی — دل میرا منتظر جلوۂ دیدار رہا

تیری زلفوں سے جی نے پیچ کھایا — الٹ میرا کلیجا منہ کو آیا
لکھا تھا میں نے خط خط کی خبر سن — یہ قاصد تو جواب صاف لایا
جفا ہوتے ہیں کیا بدلے وفا کے — غرض جیسا کیا ویسا ہی پایا

لے اشک چشم شیشۂ مے میں ملا دیا — ساقی نے مجھ کو زہر کا پیالہ پلا دیا
در یتیم تھا میرا ہر قطرۂ سرشک — آنکھوں نے رو کے خاک میں ان کو ملا دیا
مجھ خانماں خراب کا دریا میں شور سن — آخر حباب نے بھی گھر اپنا بہا دیا
جز اشک و آہ سوختہ کے عاشقی کے بیچ — تیئیں نہیں بتا تو فلک اور کیا دیا
جراح داغ دل ہے میرا اتشیں رنگ — تیئیں دیوانے کا ہیکو مرہم لگا دیا
گرم اس قدر کئے میرے سینہ نے لگ نسیم — گلشن میں بلبلوں کا کلیجہ جلا دیا
رکھ خاک پر قدم میرے کہنا مسیح دم — دیکھو فغاں کو گور میں میں نے جلا دیا

ہر حرف سیتی اس کے ہی مشق ستم پیدا — جب خط کو ترے دیکھا استاد بہت ندیا
مرتا ہے فغاں یارو اس شوخ سے جا کہیو — احوال جب آ دیکھا بیداد بہت رویا

تجھ کوں مجبور ہو لے یار خدا کوں سونپا
اب ڈبیے کا ہیکوں ناچار خدا کوں سونپا

صبح ہوتے ہی سنا سینہ سے یہ ہیں پیغام
تجھ کوں آب دیدۂ خونبار خدا کوں سونپا

طاقت نہیں فغاں کو جو دیکھے تری طرف
ہو گر کتاں ہوا نہیں ہم چشم ماہ کا

خط جب تلک آوے نہیں قاصد کو نہ بھیجو
وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا

مجھ سا گرفتہ دل بھی کبھو شاد ہووے گا
یہ خانماں خراب بھی آباد ہووے گا

اطوار کچھ برے نظر آتے ہیں یار کے
یہ رفتہ رفتہ دیکھیو جلاد ہووے گا

اس سال ہم قفس سے آزاد ہو گئے
مجھ پہ مہربان کیوں صیاد ہووے گا

نت فرقت میں دکھلا فغاں گر چاک دل تھا
گریبان صبح کا . . . . .

حیف بد ظن تجھ سے ایمان نہ ہوا
ہائے تو کافر تو مسلمان نہ ہوا

دست بد ہی ہی ناصح تیرا
پھر کہیں چاک گریبان نہ ہوا

اے فغاں عشق کے یہ معنے ہیں
تو کسی حال میں نالاں نہ ہوا

اتنا خفا تو مجھ سے میرے یار کیوں ہوا
ناحق فغاں کے نام سے بیزار کیوں ہوا

بس آرزو ہے یار میرا جی نکل گیا
پوچھا کبھو نہ تو نے کہ بیمار کیوں ہوا

. . .
تیری گلی میں جا کے فغاں خوار کیوں ہوا

تجھ کوں روزی ہو میری دعائیں لینا
مجھ کوں ہر شب تیری زلفوں کی بلائیں لینا

چشم مردم میں سبک کرتا ہی روکھا بولنا　　بوجھ ہو دل میں تو میزان نظر سے تولنا

ہم نے تیرے فراق کو جی دیا تو کیا　　ایسا ہوا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا

نہ وا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا　　یہ وہ ہیں جن نے کلیجے کو ن داغ داغ کیا

یہ ستم کوئی سہہ نہیں سکتا　　کیا کروں دل تو رہ نہیں سکتا

رفتہ رفتہ ہو گیا دیوانۂ الفت خراب　　جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانۂ الفت خراب
آج پھرتا ہی فغاں تنہا نہ مانا شہر میں　　کیا نہیں لیتے ہیں لڑکے اس دیوانے کی خبر

کرتا ہی داغ سوزش خون جگر مدد کر　　جلتا ہی دل ہمارا اے چشم تر مدد کر
اب کھل کے شب کے اندر رہتی ہی یاد مجھ کو　　ہوتے ہی شام غم پھر تو اے سحر مدد کر
اے آہ اشک میرے جلنے سے رہ گئے ہیں　　یہ قافلہ رکا ہی تو ہم سفر مدد کر

سرگذشت اس دل کی پوچھے اگر دیوان حشر　　دفتر دل پہ میرے بیاک آئیگا میدان حشر

تغیر نہیں . . . . . . اب تلک　　بلبل تو ہی چمن میں خوش آہنگ اب تلک
غنچے کھلے چمن کے ہوئے شاد عندلیب　　کھلتا نہیں تیرا دہن تنگ اب تلک
کیا شور مچ رہا ہی فغاں کے مزار پر　　سوئے نہ تار تے ہیں اسے جنگ اب تلک

جب سے دل گر ... کا یار کہلا یا ہے دل
چشم میں ..... کی خار کہلا یا ہے دل

کیوں کر خاطر میں لے آوں ہم مفلس کے تئیں
سیم تن سے دل کے اب .... کہلایا ہے دل

اس پرستش میں بتا نہیں حق پرستی چھوڑ کر
پھر .... صاحب زنار کہلا یا ہے دل

پھنس گیا ہے اے فغاں اب تو نکل سکتا نہیں
پیچ میں زلفوں کی اب لاچار کہلا یا ہے دل

پایا نہ سوز عشق سے ہرگز فراغ دل
جلتا رہے مدام بجائے چراغ دل

کالائے بد کا کون خریدار ہے فغاں
کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل

نہ ملنے پر غرض ہرگز اسے حجاب نہیں
کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں

خراب دیکھ کہے گا میری خرابی کون
ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

سبک ہوا ہے دل امیدوار آنکھوں میں
غضب رچا ہے مژہ انتظار آنکھوں میں

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں
کوئی مکان بھی میرے لئے ہے دنیا میں

دنیا و دیں دل و جان تجھ پر لٹا چکا ہوں
نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں!

ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں میں
یہ خاک وہ ہے جسکو سر پہ اڑا چکا ہوں

غلط کہتا تھا میں اے جان ترک عشق کرتا ہوں
جفا سے تو نہ گذرا وفا سے کب گذرتا ہوں

نہ فقط گل کے تئیں ہم ہیں گرفتار چمن!
دل میں چبھتا ہے یہ خار سر دیوار چمن

جی نکل جاوے میر اکشمکش دام میں کاش ... نہ گرفتار قفس ہوں نہ گرفتار چمن

قطرۂ خوں ہی نہ نکلے گا تیرے ... چاک کر دیکھ لے قاتل تو میرے سینہ کو

یاروں نے سن لیا ہی اسیری کے نام کو ... نہ قفس کو نہ دام کو
دیکھا تھا ایک دن میرے خورشید رو تجھے ... آنکھیں مدام دیکھنی رہتی ہیں بام کو
دیکھے کہیں اب فغاں سا بلاکش پاویگا ... آزاد کوئی کرتا ہی ایسے غلام کو

جنوں میں ہجر میں غیروں پر مہربانی ہو ... بھلا بتا تو میاں کیوں کہ زندگانی ہو

کہنا دل فغاں کی طرف سے جرس کے تئیں ... محمل اگر ملے کہیں فریاد کیجیو

ہیں راز دل کہا ہی تو افشا نہ کیجیو ... اس خانماں خراب کو رسوا نہ کیجیو
ناصح تو سے کہا ... کاوش بے جا نہ کیجیو!

سب سے ملے ہم سے جدا اے واہ واہ
اچھے وفا کے آشنا اے واہ واہ اے واہ واہ
کہتا ہوں بوسہ دے مجھے اس کے عوض تو جان لے
کہتا ہی کیا سودا ہوا اے واہ واہ اے واہ واہ
آتا ہی وہ گلگوں بدن ہی لال پاؤں سے وہیں
کیا آن ہی نام خدا اے واہ واہ اے واہ واہ

ره ره بہت میں نے کہا . . . . طرف ہرگز نہ جا
کہنے لگا مجھ کون ہی کیا اے واہ واہ اے واہ واہ
اک بوسہ دے مجھ کو اری کہنے لگا چل جا پرے
اچھا غصہ اچھی ادا اے واہ واہ اے واہ واہ
شمشیر کھینچ اے خوش ادا کر دے فغاں کا سر جدا
قربان تیرے میرزا اے واہ واہ اے واہ واہ

زلفوں سے دل بندھا ہی کرتا تو کیوں شانہ ظالم نہ تھم سکے گا جب کھل گیا دیوانہ

دل فغاں کہو کیوں گر نہ اضطراب کرے نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آیا ہی
خدائے عزوجل وہ بھی دن کبھو ہو گا کوئی کہے تیرا قاصد شتاب آیا ہی

گذر جانے کیا تیری گلی میں گدائی کا تصور بندھ رہا ہی
صنم کہنے سے کب خوش ہی وہ کافر خدائی کا تصور بندھ رہا ہی

نہ پوچھ مجھ سے کہ تیرے پہ کیا گذرتی ہی خدا ہی جانے کہ مجھ دل پہ کیا گذرتی ہی
پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں کہو مسافر منزل پہ کیا گذرتی ہی

جب کہ معاش یہ ہو کیوں کر رہیں وہ جیتے لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے
چاک جگر بھی ہی مت جانیو گریبان چھن جائے گا کلیجہ آخر کون سہتے سہتے

قاصد تو نا امید پھرا کوئے یار سے | خفت ہوئی مجھے دل امیدوار سے
زلف سیہ تئیں تو الجھتا ہے دل میرا | شانہ کو دشمنی ہے میرے تار تار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص | کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
میں یہ دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز | ہے دور مرتبہ میرا صبر و قرار سے
خانہ بخانہ یار کا کرتا پھروں گلہ | یہ تو بہت بعید ہے میرے شعار سے
میں وہ ہوں عندلیب کہ گلزار دہر میں | محکوں خلش نہ ایک سے ہے نہ ہزار سے
ایذائے باغبان گوارا ہوا اب مجھے | پایا ہے بس کہ لطف چمن میں بہار سے
شانہ گل کو دیکھ کے دل باغ باغ ہے | آنکھیں بھی میری لگ رہی ہیں نوک خار سے

اگر میری زباں پہ یار حرف انتظار آوے | ابھی رونے پہ ظالم دل تیرا بے اختیار آوے
وہ میرے قتل کو آیا تھا پھر کاہیکو آویگا | کہاں طالع میری ایسی کہ قاتل بار بار آوے
فغاں سن کر میری فریاد یوں کہتے ہیں ہمسایہ | ملے تو ٹک یار سے ظالم کہیں محکوں قرار آوے

ہمیں تو کون ہے جو مائل شراب کرے | عجب بہار کے دن ہیں خدا خراب کرے
قسم ہے دل ہی سمجھتا ہے اس کی لذت کو | تیرے ستم کو ستم ہے کوئی حساب کرے
یہ ہیں رنا لب نیکو سے اس شرابی کی | کہو فغاں سے شتابی فکر کباب کرے

درد دل تیری زلف تک پہونچی | آہ یہاں تک میری رسا نہ ہوئی
کون لے جاوے بوئے داغ جگر | میری پیغام بہ صبا نہ ہوئی
دل سوزاں کو کیا پسند کیا | دوسری بار پھر صدا نہ ہوئی

چشم خونخوار سے فغاں دیکھا　　دل بیمار کو شفا نہ ہوئی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے　　تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہمارے نفس کو تشہیر ہی ضرور　　آئندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے
فکر معاش و عشق بتاں یاد رفتگاں　　اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
عالم کے بیچ پھر نہ رہی رسم عاشقی　　گر نیم لب کو بھی ترے شکوہ سے وا کرے
گر ہو شراب و خلوت معشوق خوبرو!　　زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
تعلیم گریہ دو دن میں گر ابر بہار کون　　جز لخت دل صدف میں نہ گوہر بندھا کرے
تنہا نہ روز ہجر فغاں پر ہے یہ ستم　　پروانہ سا وصال میں ہر شب جلا کرے

جان کرے ہے اب سفر کاش وہ میرا نامہ بر　　آن ملے شتاب سے جلد پھرے خدا کرے
کوچہ عشق میں فغاں جو کہ قدم رکھے یہاں　　آہ کے تئیں عصا کرے اشک کو رہنما کرے

آتا ہوں تیرے در کے اوپر جب اے ماہ　　کہتا ہے رقیبوں کو نہ دیو اس کو راہ
دن رہ اور تیری یاد رہے دنیا میں　　میں چاہتا ہوں ظالم بھلا اللہ اللہ

کرتیں کئی بار یاری وہ بھی گذری　　. . . کے آہ و زاری وہ بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا　　یوں بھی گذری ہماری وہ بھی گذری

اس ناصح نادان کو سمجھانے کو کیا کہیے　　مجھ سوختہ دل کے تئیں جلوانے کو کیا کہیے
یہ آتش غم دونی بھڑکانے کو کیا کہیے　　جز عشق صلاح اور آپ بتلانے کو کیا کہیے

یہ دل نہیں سمجھے گا دیوانہ کو کیا کہیے

جینے پہ نہیں موقوف اس عشق کے کئی فن ہیں دشمن کئی پھرتے ہیں کئی ساکن گلشن ہیں
قندیل فلک اوپر یہ شمع جو جلتے ہیں! اس راہ ہماری کی شعلہ سیتے روشن ہیں
ہم جلتے ہیں کیا کم ہے پروانہ کو کیا کہیے

کچھ طور زمانہ کی الٹی ہے نظر آتی . . . .
. . . . یک دم کی خوشی میری گردوں کو نہیں بھاتی
قسمت ہے میری . . . پیمانہ کو کیا کہیے

کوئی نے میرا یہاں تک احوال کو پہنچایا ساقی کے قدم اوپر سر میرے کو گڑوایا
لیکن میری خاطر ہیں رہ رہ کے یہی آیا آدم کے تئیں جن نے جنت سے نکلوایا
اے زاہد دیوانہ اس دانہ کو کیا کہیے

زاہد کے مریدوں کو کس وہم نے گھیرا ہے . . . .
دانا نہیں گو اپنی تسبیح کا پھیرا ہے ظاہر میں تو ہے روشن باطن میں اندھیرا ہے
مسجد میں تو یہ دیکھا بت خانہ کو کیا کہیے

جس وقت گذر یارو گلزار میں کرتا ہوں بلبل کی فغاں سن کے صیاد سے ڈرتا ہوں
لخت جگر پہ خون داماں میں بھرتا ہوں پڑھ پڑھ کے یہی مصرع میں زار... ہوں
گلشن میں تو یہ دیکھا ویرانہ کو کیا کہیے

اب چاک گریبان کر جا دشت میں دکھلاؤں یا دہ میں اب جا کر سر خوب سا ٹکراؤں
حیران ہوں فغاں دل کو کس طرح سے بہلاؤں یہ دل تو نہ ٹھہرے گا کیا خاک میں سمجھاؤں
دانا تو سمجھتا ہے نادانہ کو کیا کہیے

کوئی بے وفائی میں تجھ سا نہ دیکھا کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ دیکھا

کوئی میرزائی میں تجھ سا نہ دیکھا　　　کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ دیکھا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا

مندرجہ بالا اشعار میں زیادہ تر اشعار ایسے ہیں جن میں فغاں کے کلام کی خوبی وپختگی اور زبان کی روانی، سلاست اور گھلاوٹ نہیں جو ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے، شاید ان اشعار کو فغاں نے اپنے معیار سے فروتر سمجھ کر رد کر دیا ہو اور اس لئے ان کو اپنے اس منتخب دیوان میں شامل کرنا پسند نہ کیا ہو جو ان کی زندگی ہی میں تیار ہوا، اسی گمان کی بنا پر راقم السطور نے ان اشعار کو اوپر نقل تو کر دیا ہے مگر ان کو اصلی دیوان کے ساتھ شائع کرنا احتیاط کے خلاف تصور کیا ہے۔ ان میں بعض اشعار تو مطلق پڑھے نہیں گئے اس لئے ناظرین کو جابجا نقوط نظر آئیں گے۔

فغاں کی غزلوں میں سے میر نے نکات الشعرا میں تین ابیات، قدرت اللہ قاسم نے مجموعۂ نغز میں پینتالیس، مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں چھہتر، قائم نے مخزن نکات میں چودہ (اور ایک رباعی)، گردیزی نے تذکرۂ ریختہ گویان میں چار، شفیق نے چمنستان شعرا میں دس، میر حسن دہلوی نے تذکرۂ شعرائے اردو میں اکتالیس (علاوہ ہجو کے دو اشعار)، مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں بیس، شیفتہ نے گلشن بیخار میں بارہ، نساخ نے سخن شعرا میں سولہ، محمد حسین آزاد نے آب حیات میں اڑتالیس اور مولانا عبدالحی نے گل رعنا میں پندرہ اشعار نقل کئے ہیں، جن میں سوائے چند کے اور تمام اشعار پیش نظر مطبوعہ دیوان میں ہیں مذکورۂ بالا تذکروں کے جو چند ابیات دیوان میں نہیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

مجموعۂ نغز:-

مجھ سا گرفتہ دل بھی کبھی شاد ہوئے گا　　　یہ خانماں خراب بھی آباد ہوئے گا

اس سال ہم قفس مرے آزاد ہو گئے — مجھ پر بھی مہرباں کبھی صیاد ہوئے گا
جز اشک و آہ و سوختگی عاشقی کے بیچ — تو نے ہمیں بتا تو فلک اور کیا دیا

نہ کھولیے ترے بند قبا تو کیا کیجے — دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے — مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

تذکرۂ ہندی۔

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں — کوئی مکاں بھی مرے لیے ہے دنیا میں

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ تماشائے چمن — کیا اسیران قفس کے تئیں پروائے چمن

قاصد تو ناامید پھرا کوئے یار سے — خفت ہوئی مجھے دل امیدوار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص — کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز — ہے دور مرتبہ مرے صبر و قرار سے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے — مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

نہ کھولیے ترے بند قبا تو کیا کیجے — دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

مصحفی نے تذکرہ ہندی میں فغاں کی ایک غزل کے چار اشعار نقل کیے ہیں جس کے قوافی و ردیف "دعا نہ دے" اور خدا نہ دے" ہیں اس غزل کے حسب ذیل دو

اشعار پیش نظر دیوان میں نہیں ہیں،

قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دور
بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرط وفا نہ دے

بے طرح جوشِ گل نے لگائی چمن میں آگ
ڈرتا ہوں آستانہ کو کافر جلا نہ دے

مخزن نکات۔

یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو
پہنچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

چمنستان شعرا۔ شفیق نے اس غزل میں سے جس کے قوافی و ردیف "زنداں کے بیچ" "آن کے بیچ" ہیں پانچ اشعار نقل کئے ہیں، جن میں حسب ذیل شعر دیوان میں نہیں، دیوان ہٰذا میں اس غزل کے چھ اشعار ہیں۔

میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف
شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ

تذکرہ شعرائے اردو۔

زخم دل تو سیا نہیں جاتا
بن سئے بھی جیا نہیں جاتا

اے فغاں دیکھنا سمجھ لینا
دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا

ملے ہی غیر سے ہرگز ہے حجاب نہیں
کہوں تو کہہ نہیں سکتا رہو لتی تاب نہیں

خراب دیکھ کہے گا مری خرابی کو
ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے
مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

غیر از ودلی کے مانع دیدار کون ہے
وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے

بیم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دور
گر وہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے

جاگا نہ کوئی خواب عدم سے کہ پوچھتے — آسودگان خاک میں بیدار کون ہے
میں مرگیا یہ آہ نہ پوچھا فغاں مجھے — درد جگر کسے ہے یہ بیمار کون ہے

اگر میری زباں پہ بار دیگر انتظار آوے — ابھی رونے پہ ظالم دل مرا بے اختیار آوے

ضعیف ہے دل بیمار اس قرینہ سے — اٹک کے آہ نکلتی ہے میرے سینہ سے

گلشن بیخار

تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے — ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پر سیماب کیا جانے

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے — خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

نہ کھولیے تری بند قبا تو کیا کیجے — دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

سخن شعراء۔

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے — خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

ضعیف ہے دل بیمار اس قرینے سے — اٹک کے آہ نکلتی ہے میرے سینے سے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے — انھیں باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہے

دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا معلوم — کہنے سننے کے لئے بات بنا رکھا ہے

آب حیات۔ آب حیات میں، غزلوں کے ۴، ۵، ۴، ۶، ۳، ۶، ۶، ۲

اشعار علی الترتیب منقول ہیں، یہ تمام غزلیں قلمی نسخہ میں موجود ہیں فغاں کی غزلوں کے صرف مندرجۂ ذیل تین اشعار نہیں ہیں۔

بے فائدہ ہی آرزوئے سیم و زر فغاں ——— کس زندگی کے واسطے یہ دردِ سر فغاں

اتنا کہاں رفیق بصارت ہی چشم کی ——— دل بھی ادھر گیا مری جیدھر نظر گئی

کباب ہو گیا آخر کو کچھ برا نہ ہوا ——— عجب یہ دل ہی جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

دیوان کو مرتب کرتے وقت اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہی کہ یوروپین مستشرقین کی بے جا تقلید میں غیر ضروری اور صبر آزما حواشی اور نوٹ لکھ کر اس کو دشوار نہ بنایا جائے، زیرِ نظر قلمی نسخہ کی کتابت میں بعض الفاظ کے املا غلط لکھے گئے ہیں جو یقیناً کاتب کی بے توجہی اور لاپروائی کے نتائج ہیں مثلاً ایسے الفاظ جس کا املا یائے معروف سے ہونا چاہیے یائے مجہول سے لکھ دئے گئے ہیں، اسی طرح یائے مجہول کی جگہ یائے معروف مکتوب ہی مثلاً "سے" کو "سی" "کے" کو "کی" "نے" کو "نی" یا "کہتی" کو "کہتے" "کسی" کو "کسے" "تجھی" کو "تجھے" "بھی" کو "بھے" لکھے گئے ہیں اسی طرح حرف ساکن دوچشمی ھ کے ساتھ لکھنے کا التزام نہیں، ہ مختفی اور ھ دوچشمی میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہی۔ مثلاً "ہنسنا" کو "ھنسنا" "ہو" کو "ھو" "ہستی" کو "ھستی" "دہر" کو "دھر" "گہر" کو "گھر" "تھا" کو "تہا" لکھ دیے گئے ہیں، میں نے دیوان نقل کرتے وقت ان کی تصحیح کردی ہی، مگر ان پر حواشی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت کے مطابق کہیں کہیں حواشی بھی لکھ دئے گئے ہیں، دیوان میں نون غنہ میں بالالتزام نقطے دئے

گے، میں نے ان لفظوں کو بجنسہ قائم رکھا ہے۔

یہ میرا دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں نے اس دیوان کو غیر معمولی محنت سے مرتب کیا ہے، البتہ جو کچھ بھلا برا بن پڑا پیش کر دیا گیا ہے محض اس لئے کہ اردو زبان کا ایک بلند پایہ اور ممتاز شاعر گمنامی کے پردہ میں رہ کر کہیں ہمیشہ کے لئے نہ گم ہو جائے

شکریہ

آخر میں بصمیم قلب سے جناب ڈاکٹر عبد الحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی اردو ادب نوازی کی وجہ سے یہ دیوان زیور طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے جو اب تک شائع نہ ہو سکا محترمی جناب خان بہادر محمد شفیع کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے اپنا ذاتی نسخہ بھیج کر اس دیوان کی تیاری میں مدد فرمائی۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی کے لائبریرین کا بھی ممنون ہوں کہ وہاں کے قلمی نسخہ کے مطالعہ کا موقع ملا۔ آخر میں استاذی المحترم مولانا عبدالسلام صاحب ندوی صاحب شعر الہند اور برادر محترم جناب شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کے بار احسان سے گراں بار ہوں کہ انھوں نے دیوان کے بعض بدخط اشعار کے پڑھنے اور سمجھنے میں پوری مدد کی اور اس دیوان کے مقدمہ کی تحریر کے وقت ان دونوں کے مشوروں سے برابر مستفید ہوتا رہا۔

حقیر

سید صباح الدین عبد الرحمان ایم۔ اے

۲۵ فروری ۱۹۴۶ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصائد

قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

شادی و غم سے کہاں خالی ہے بزم روزگار
جام اگر ہنستا ہے تو روتا ہے مینا زار زار

کون سی راحت ہے جو بے رنج ہے دنیا کے بیچ
گل کے تئیں جب ہاتھ میں لیتے ہیں چبھتا ہے خار

دہر میں پایا ہے یہاں تک ناامیدی نے رواج
چاہیے عالم میں ناپیدا ہو چشم انتظار

سینہ صافی اس قدر معدوم ہے دنیا کے بیچ
چاہیے ہووے اب آئینہ کے دل میں بھی غبار

گوشہ گیری میں بھی اہل دل کے تئیں آرام نہیں
دیکھ تو جا کر صدف میں بھی ہے گوہر بیقرار

دیکھتے ہیں مردماں چشم حقارت سے مجھے
اٹھ گیا دنیا سے رونے کا یہاں تک اعتبار

اس گہر کی دہر میں از بس خریداری نہیں
چاہیے آنسو کے تئیں پی جاوے چشم اشکبار

ہیں اگر ہستی کے اوپر نیستی کو دوں شرف
دیں مجھے دشنام[51] کچھ گر مردمان روزگار

حق بجانب ہے انھوں نے زیست میں پایا ہے لطف
مرگ تو معلوم ہے لیتے نہیں نام مزار

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض
رائے تو ان کی غلط ہے بد انھوں[52] کا ہے شعار

کب تمامی عمر بلبل کو رہا ہے وصل گل
گل نے یک ہفتہ سوا پایا چمن میں کب قرار

---

٥١ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ - کچھ کر دشنام ٥٢ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ - بد انہوں کا

صبح کو مذکور تھا غنچہ کھلے دل وا ہوئے
شام کو کہتے ہوئے پھرتے ہیں گلشن بیچ کار

جائے حسرت ہے چمن تک غور کر اے عندلیب
گیا ہوئے وہ گل کہ ہرجائی رہی فصل بہار

غیر اون کے ہے مجھے جس شخص سے دلبستگی
عرض ہے میری یہی خدمت میں اس کی بار بار

اس فراموشی کو کیا کہتے ہیں اے پیماں شکن
اس تغافل کو بھلا کہتے ہیں کیا اے بدشعار

جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانۂ الفت خراب
جو نہ سننے تھے سنا تیرے لئے سنتا ہے یار

چشم میں مطلق بصارت کا اثر باقی نہیں
وصل سے اب ہاتھ دھو بیٹھا دل امیدوار

امتحاں سے مرتبہ گذرا ہوا ہوں جلد رحم
کب تلک ظلم و تعدی کب تلک صبر و قرار

یہ غزل پڑھتا پھرے ہے کوچہ و بازار میں
خاک اڑا کر اپنے سر اوپر یہ تیرا خاکسار

جب تلک ہے تن میں دم الفت نہیں جاتا [نکلے]
بعد میرے خاک بھی ہو گی ترے در پہ نثار

ہم اسیروں نے نکالے ہیں قفس میں سال دو
کس کو کہتے ہیں خزاں اور کس کو کہتے ہیں بہار

مرگیا ہے اس تمنا میں دل آفت طلب
شاد ہو دشمن رہے روتا ہمیشہ دوستدار

خاک پر ہم بیکسوں کے کون لاویگا چراغ
اے دل سوزاں تو ہی ہونا میرا شمع مزار

مردمان چشم تر رو رو کے کہتے ہیں فغاں
کیا دکھاوے گا ہمیں اس سے زیادہ انتظار

جب کہ ایسے بیوفا آئے نظر خوباں دہر
کر چکا جتنا مجھے کرنا تھا عجز و انکسار

تب کہا میں دل سے کر کچھ فکر عقبیٰ اے عزیز
کیوں نہیں ہوتا تو مداح شہ دلدل سوار

دل لگا کہنے خدا حافظ تجھے سودا ہوا
کیا میری قدرت کروں وصف امیر نامدار

تیغ جس کی آبداری میں یہاں تک ہے کہ برق
خوف سے اس کے رہی ہے چرخ اوپر بیقرار

دوست تو کہتے ہیں اس کو ناخن شیر خدا
خاک پر اس کی عدو کے گر کسی کا ہو گذار

دہاں اسے پوچھے کہ کیسی تیغ تھی کرار کی
کیسا مرکب تھا علی کا تھا وہ کیسا شہسوار

یہ صدا نکلی تب اس کی خاک سے کیا پوچھے
لافتا الا علی لا سیف الا ذوالفقار

له پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ "یون"

قبضۂ قدرت کو اس کے کیا کشش کی احتیاج — دیکھتے ہی تیر کو صید حرم ہووے شکار
میں تو کہتا ہوں کماں کو اس کی محراب حرم — جس کی قوت سے ہوا اللہ اکبر آشکار
اس کماں کا کب ہی سکر و اس قدر دنیا کے بیچ — چرخ کھاتا ہی فلک اس حال پر ہو کر نثار
عقل سے معلوم ہوتا ہو کہ جوں باد صبا — اس کی تیغ پھرتا نہیں دیکھا کسی نے زینہار
دیکھ تو حالت فغاں کی یا امیر المومنین — یہ تیرا مداح رہتا ہی نہایت بے قرار
تشنہ لب ہی تشنہ لب یا ساقی کوثر شتاب — سیر ہو تیرے تصدق سے دل امید وار
کر تصور دل میں تیرے مشہد عالی کا وہ — روز و شب رورو کے اس مطلع کو پڑھتا ہی پکار

بادہ وحدت پلادے کب تلک کھینچوں خمار
منتظر بانگ موذن کا ہی گوش روزہ دار

قصیدہ دیگر در منقبت حضرت علی بن ابی طالب[۵۱]

امام مسجد و منبر علی ابن ابی طالب ؑ — ستون دین پیغمبر علی ابن ابی طالب
تو ہی عالی تو ہی اعلیٰ تو ہی والی تو ہی والا — تو ہی ہی بہتر یہ ہی بہتر علی ابن ابی طالب
. . . — عجائب کا ز ہی مظہر علی ابن ابی طالب
. . . — تو ہی ہی دین کا دفتر علی ابن ابی طالب
. . . — فغاں کہتا ہی یہ اکثر علی ابن ابی طالب[۵۲]

---

۵۱ یہ منقبت "قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیہ والثنا" کے خاتمہ پر دیوان کے حاشیہ پر درج ہی، ترتیب کے خیال سے حضرت علی کی پہلی منقبت کے بعد اس کو یہاں پر نقل کیا گیا ہی۔

۵۲ دیسنہ لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے دونوں نسخوں میں جلد بندی کی وجہ سے حاشیہ کٹ گیا ہی اس لیے آخری تین شعر کے پہلے مصرعے پڑھے نہیں جاتے۔

قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثنا

ازل سے ہے دلِ آزاد کا یہ استدعا — کبھی نہ فکرِ فنا ہو کبھی نہ فکرِ بقا
مدام خاک اڑایا کرے بیاباں میں — کھلے رہیں میرے وحشت زدہ کے بندِ قبا
سو یہ فراغ کہاں بلکہ بیقراری ہے — کیا ہے گردشِ گردوں نے مثلِ قبلہ نما
ہوئی نصیب کہاں سے اسے گرفتاری — دلِ حزیں میرا آخر کے تئیں پھنسا ہی پھنسا
یہی کہ رہا کہ نہ عاشق ہو باز آ کافر — خدا کے واسطے ٹک دیکھ حال دنیا کا
ہوئی ہے رسمِ محبت یہاں تلک معدوم — نہ عندلیب میں الفت رہی نہ گل میں وفا
چمن چمن جسے کہتے ہیں وہاں بھی خاک نہیں — کرے ہے نالۂ بلبل پہ زاغ استہزا
خدا امان میں رکھے گیا برا زمانہ ہے — فلک اگر مجھے چھوڑے رہا کروں تنہا
سوائے فکرِ سخن اور کچھ نہ ذکر کروں — بغیر طرحِ غزل کچھ نہ میں کروں انشا
چنانچہ یہ غزلِ تازہ جس کو لکھتا ہوں — ہوئی ہے وردِ زباں مجھ دلِ حزیں کے سدا
چمن میں کھینچ دمِ سرد یوں گئے ہے صبا — کوئی جہاں میں نہ ہووے کسی کا عقدہ کشا
ہمارے آبلۂ دل کے کب برابر ہو — اگرچہ حباب کی صورت تمام ہو دریا
جلا غبار سے پاتا ہے روئے آئینہ — بجا ہے خاک ملیں منہ پہ اپنے اہلِ صفا
کیا ہے داغ بتاں نے یہاں تلک مجھ کو — برنگِ سروِ چراغاں جلوں ہوں سراپا
گدا تو پشم ہی جانے ہے تاجِ شاہی کو — ہمارے سر پہ نہ سایہ فگن ہو بالِ ہما
فغاں ضرور نہیں کچھ زیارتِ کعبہ — ہمارے دیر کو قائم رکھے جہاں میں خدا
اگر طواف کروں تو اسی کے مشہد کا — کہ جس کے واسطے خلقت ہوئے ہیں ارض و سما
وہ کون شاہِ خراساں امیر ابن امیر — امام ضامن ثامن شفیعِ روزِ جزا
وہاں جو خوار کرے مجھ کو شومیٔ طالع — پڑھوں یہ مطلعِ دلکش کہوں ہوا سو ہوا

رضا رضا ہی پکارے جو ہو فدائے رضا
یہی رضائے محمد یہی رضائے خدا

یہ آرزو ہے کہ جا اس کے آستانہ پر
کروں خطاب کہ اے بادشاہ ہر دوسرا

تیرے تو مشہد عالی کو یا امام زمن!
بجائے کعبہ سمجھتے ہیں مردم دنیا

سکانِ فلک سے اگر کوئی پوچھے
کہیں کہ عرش معلا سے کم نہیں یہ جا

کسے مجال تیرے روبرو کہے حاضر
کہ تیرے سامنے ہوتے ہوئے ڈرے ہے قضا

جو فی المثل ہو مقابل ترے غلاموں کے
جسے سمجھتے ہیں رستم یہ مردم دنیا

نہ آشنا پاتا ہوں اس کو کہ سامنے ٹھہرے
سبھی پکاریں گے دیکھا نہ وہ کیا وہ کیا

عدو سے پوچھیے گر تیری تیغ کی برش
کہے جہاں میں ہوئی ذوالفقار پھر پیدا

قلم تو میرے کف دست سے نکل جاوے
ترے سمند کے جلدی اگر کروں انشا

چلے رکاب میں باد سحر کا کیا مقدور
کیا قبول وہ ہر چند ہے جہاں پیما

یہی ہے عرض فغاں کی اگر قبول پڑے
تری جناب مقدس میں یا امام رضا

کسی کے در کو نہ جھانکوں نصیب ہو میرے
تجھی سے فائدہ دین و حاصل دنیا

شتاب ہو میرے مولا مراد دل حاصل
خدا نخواستہ جنبش میں آوے دست دعا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اردو دیوان

(ردیف الف)

عالم میں اگر عشق کا بازار نہ ہوتا — کوئی کسی بندہ کا خریدار نہ ہوتا
ہستی کی خرابی[1] نظر آتی جو عدم میں — اس خواب سے ہرگز کوئی بیدار نہ ہوتا

قطعہ

کہتا ہے تجھے خاک نہ دوں غیر اذیت — یہ دل میں اگر تھی تو میرا یار نہ ہوتا
معلوم کسے تھی یہ تیری حسنانہ خرابی — میں جانتا ایسا تو گرفتار نہ ہوتا
دیتے تیری مجلس میں اگر راہ فغاں کو — اس شخص سے ہرگز کوئی بیزار نہ ہوتا
عالم کو جلاتی ہے تیری گرمیٔ مجلس — مرتے ہم اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے — پس چاہیے تسبیح میں زنار نہ ہوتا
ظالم مرے حاسد کی تو شادی تھی اسی میں
یعنی مجھے در تک بھی ترے بار نہ ہوتا

---

[1] گلشن ہند (ص ۱۳۱) میں یہ مصرع اس طرح ہے ع "ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں" مگر تذکرۂ ریختہ گویان (ص ۱۲۲) اور چمنستان شعرا (ص ۴۰۳) میں "کی خرابی نظر آتی" ہے دوسرا مصرع گلشن ہند، تذکرہ ریختہ گویان اور چمنستان شعرا میں اس طرح ہے ع "ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا" مجموعۂ نغز (ص ۲) اور تذکرہ ہندی (ص ۱۱۹) میں "مجلس" کے بجائے "بازار" ہے۔ یہ دو شعر پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ میں نہیں، شاید حاشیہ پر ہوں مگر جلد بندی میں اس پر کاغذ چپک گیا ہو۔

آیا ہی[1] خط نمود میں اس خوش نگاہ کا — شاید اثر ہوا ہی میرے درد آہ کا

خورشید بھی[2] ہووے ہو یدا سحر کے وقت — گر نام لے کوئی میرے بخت سیاہ کا

بے وجہ نہیں[3] ہی جامۂ قاتل کا رنگ سرخ — شاید پڑا ہی خون کسی بے گناہ کا

آجاوے درمیاں میں داماں حشر بھی — اتنا ہی چاک جیب ترے داد خواہ کا[4]

اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کے روبرو — کیا پشم قدر ہی[5] تری زریں کلاہ کا

جو لخت دل گرا ہو[6] زمیں پہ اسے فغاںؔ
رکھنا میرے کفن میں یہ توشہ ہی راہ کا

جان! ایسا نہ ہو ضائع ہو یہ جاناں میرا — لیجیو جان کو[7] ٹک جان کے جاناں میرا

ہاتھ تونے[8] تو رفو سے نہ اٹھایا ناصح — اڑ گیا سیتے ہی سیتے یہ گریباں میرا

طرح کیا یاد ہی اس چشم کو لگ جانے کی — چھوٹ سکتا نہیں اب گوشۂ داماں میرا

کچھ مدارات بھی اے خون جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہی کئی دن سے یہ مہماں میرا

کیا کروں پھوٹ چکے آبلے اے چشم پر آب — یہ نہ ہووے کہ رہے خشک بیاباں میرا

دل خم زلف میں ناحق کو گرفتار ہوا — آگیا کفر میں افسوس مسلماں میرا

اس خط سبز کی ازبسکہ لکھی ہی تعریف
اے فغاں ہو گیا سر سبز یہ دیوان میرا

اے تجلی کیا ہوا شیوہ تری تکرار کا — مر گیا آخر کو یہ طالب ترے دیدار کا

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع: "آیا ہی خط ہوا اس" ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہو" مِنا ۳؎ ایضاً "تھا" ۴؎ ایضاً "بخیر" ۵؎ ایضاً جو لخت دل گرے ہوں زمیں پر یہیں سے ٹک رکھنا یہی میرے کفن پہ توشہ یہی راہ کا۔ اس نسخہ میں ایک اور شعر ہی جو کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں، اور وہ یہ ہی: طاقت نہیں فغاں کو جو دیکھے تری طرف، ہو کر کتاں جدا نہیں ہم چشم ماہ کا ۶؎ ایضاً جام ۷؎ ایضاً "تھی" ۸؎ "تیرا" "مخزن نکات" صفحہ ۱

کیا بنائے خانۂ عشاق بے بنیاد ہے　　ڈھل گیا ہے میرے سایہ تری دیوار کا
روز بہ ہوتا نظر آتا نہیں یہ زخم دل　　دیکھیے کیا ہو خدا حافظ ہے اس بیمار کا
نو ملازم لعل لب کو دے گئے تنخواہ میں　　بے طلب رہتا ہے یہ نوکر تری سرکار کا

دیکھ نہیں سکتا فغاںؔ شادی دل آفت طلب
یہ کہاں سے ہو گیا مالک میرے گھر بار کا

یہ ناز ہر کسی سے اٹھایا نہ جائے گا　　مجھ سا جو مر گیا تو جلایا نہ جائے گا
زخم جگر کو پردہ نشینی ضرور ہے　　یہ داغ ہر کسی کو دکھایا نہ جائے گا
آسودہ ہیں زبس ترے کوچہ میں عاشقاں　　اس خاک کو ادب سے اڑایا نہ جائے گا
کیا خاک کوئے یار میں یوں سراغ دل　　ایسا ہی گم ہوا ہے کہ پایا نہ جائے گا

ممکن نہیں کہ تارِ نگہ بن یہ ہو رفو
چاکِ جگر فغاںؔ سے سلایا نہ جائے گا

کتنا حریف خواب ہے خلخال دیکھنا　　یارو خدا کے واسطے یہ چال دیکھنا
جب تک رہی[1] قفس میں یہی شغلِ نت رہا　　سر کو جھکا جھکا کے پر و بال دیکھنا

قطعہ

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں　　یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا[2]
اس سال مجھ کو دیکھ غزالان نے یوں کہا　　منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا

---

[1] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں "بجے" ہے [2] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر مقطع ہیں، ہے اور دوسرا مصرع جو غلط لکھا ہوا ہے یہ ہے کہ "نت تھا شعار دشت کو ن ہر سال دیکھنا"

جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشین ہے بید
مجنوں کی خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا[۱]
کچھ بس نہ چل سکا تو مری[۲] جان رو دیا

باتیں تیری کسی کے بھی دل کو جلی لگیں
میرا جگر نہ ہووے کہ پیکان چبھو دیا

سن لی خبر کہاں سے مرے اشک چشم کی
کس نے یہ تیرے[۳] کان میں موتی پرو دیا

قطعہ

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
خانہ خراب عشق[۴] نے دنیا سے کھو دیا

اس کے وصال و ہجر میں یوں[۵] ہیں[۶] گزر گئے
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

قطعہ

چشم مردم میں سبک کرتا ہے رد کھا بولنا
بوجھ ہوں دل پر تو میزان نظر سے تولنا

چاک کرنے دے صبا غنچہ کا اول پیرہن
رہ کے ٹک گلشن میں تو بند قبا کو کھولنا

لے تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) ع "اشکوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا"، تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱) ع "آنکھوں نے بے سفینۂ الفت ڈبو دیا" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "آنکھوں نے نبے سفینۂ الفت ڈبو دیا" ۲ے تذکرہ ہندی "مری" ۳ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" ۴ے ایضاً کس نے تیرے یہ کان میں موتی پرو دیا ۵ے ایضاً دل نے ۶ے قلمی نسخے "ہیں" "گزر ہی" کے لئے دیکھو مجموعۂ نغز (ص ۷۵) تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱)

خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر نہیں، مگر اس نسخہ میں اس غزل کا مطلع ہے۔

یہ بات تو نہ کہ میرا احسان کھو دیا
دشنام تو مدام ہی بوسہ کبھو دیا

مگر یہ نسخہ کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں ہے۔

یا گر بوسہ دے مجھے وہ شوخ یا دشنام دے
ہو سکے یا سم فغاں یہ کھو وانت کھولنا

قطعہ

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا — کاروانِ اشک چلتا ہی رہا
اس کفِ پا پر ترے رنگِ حنا — جنے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا
صبح ہوتے بجھ گئے سارے چراغ — داغِ دل تا شام جلتا ہی رہا
کب ہوا بیکار پتلا خاک کا — یہ تو سو قالب میں ڈھلتا ہی رہا
بہ ہوئے کب داغ میرے جسم کے — یہ شجر ہر وقت پھلتا ہی رہا
کب تھما آنکھوں سے میرے خونِ دل — جوش کھا کھا کر ابلتا ہی رہا

کیا ہوا مرہم لگانے سے فغاں
زخمِ دل سینہ میں سلتا ہی رہا

قطعہ

مے واسطے ساقی نہیں آپ چشم تر آیا[1] — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
مت ڈھونڈ گزک گو ارے مے خوار ادھر دیکھ[2] — لے لے تیری خاطر مرا لختِ جگر آیا
گم کر دیا اس نامۂ جاں سوز کو میرے — قاصد کا برا ہو دے یہ کیا کام کر آیا
زاہد کے تئیں دیکھ کے کہتا ہوں حرم میں — عیسیٰ کو فلک بھیج دے کعبہ میں خر آیا

---

[1] نکات الشعراء (ص ۴۸)، چمنستان الشعراء (ص ۲۸۴)، ع۔ ساقی نہیں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا، مجموعۂ نغز (ص ۲۳)، ع۔ ساقی میں نہیں آپ سے کچھ چشم تر آیا۔ مخزن نکات (ص ۲۱)، اے واسطے ساقی نہیں لبان چشم تر آیا، کتب خانہ الاصلاح کے اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخوں میں "آپ" کے بجائے "اب" ہے۔

[2] دوسرے مصرع میں نکات الشعراء میں "تو" کے بجائے "کو" اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخے میں "کون" ہے۔

حیران و پریشان و دل افگار و قبا چاک[۱]
سنتے تھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا[۲]

صد شکستہ بال کو حب الوطن سے کیا
ہوں بلبل قفس مجھے مرغ چمن سے کیا

یہ جسم خاک ہو ترے در پر اڑا کرے
تیرے شہید عشق کو گور و کفن سے کیا

یعقوب کو عزیز ہے یوسف کا پیرہن
یوسف ہو جس کے پاس اسے پیرہن سے کیا

پی پی کے خون دل کو وہ رنگین کرے ہے لب
اس لعل بے بہا کو عقیق یمن سے کیا

صنم بتا تو خدائی[۳] کا تجھ کو کیا نہ ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

شگفتگی سے ہے غنچہ کے تئیں پریشانی
بھلا ہوا کبھی کافر تو مجھ سے وا نہ ہوا

ہوا نہ میں جیا آخر کو نیم بسمل ہو
غضب ہوا میرے[۴] قاتل کا مدعا نہ ہوا

نپٹ ہوا ہوں فضیحت بہت ہوا ہوں خراب
ترے[۵] طفیل اے خانہ خراب کیا نہ ہوا

طرف سے اپنی تو نیکی میں تھا میرا[۶] صاحب
تری[۷] بلا سے فغاں کا بھلا ہوا نہ ہوا

---

۱ نکات الشعرا، چمنستان الشعرا، ع۔ افگار، پریشان و شکستہ دل و بدنام، تذکرہ ریختہ گویان ع۔ آوارہ پریشان و شکستہ دل و بدنام ۲ نکات الشعرا (ص ۱۶۷)، چمنستان الشعرا (ص ۴۸۳) و تذکرہ ریختہ گویان (ص ۱۴۲) میں یہ مصرع اس طرح ہے ع سنتے تھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع۔ سنتے تھے فغاں کے تئیں سو اب نظر آیا ۳ تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳) "خدائی میں" آب حیات (ص ۱۱۶) و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "خدائی کا" ۴ آب حیات "مرے" نسخہ خان بہادر شفیع کے نسخہ میں ہے ع۔ غلط ہوا میرے قاتل کا مدعا نہ ہوا۔ ۵ آب حیات۔ تیرے ۶ آب حیات مرا نسخہ خان بہادر شفیع میں یہ مصرع کچھ اور ہے جو پڑھا نہیں جاتا ۷ آب حیات "میری" نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ایک شعر فاضل ہے اک آب ہو گیا آخر کو کچھ مزا نہ ہوا عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

عاشق کے آگے مت کہو وہ شوخ بد اطوار تھا
ظالم تھا یا خونخوار تھا جو تھا سو اپنا یار تھا

لاکھوں لگاتے سب رہے عاشق کے آگے کب رہے
دل دے کے سودا کر چکا منعم تھا یا نادار تھا

لقمان بھی حیراں رہا یہاں بو علی گریاں رہا
دردِ دل بیمار تھا اندک تھا یا بسیار تھا

اس در پہ میں جب تک رہا مت پوچھ وہاں کیا کیا سہا
یا تھا خدا سر پہ فغاں یا سایۂ دیوار تھا

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہہ نہیں سکتا
رہوں تو رہ نہیں سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا

یہ موجِ اشک میری صورتِ زنجیر رکھتی ہے
چلوں تو چل نہیں سکتا بہوں تو بہہ نہیں سکتا

مرا قطرۂ اشک دریا نہ ہوگا
جو آنکھیں بھی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا

میں دیتا ہوں جی کو وہ لیتا ہے دل کو
خریدار یہ ہے تو سودا نہ ہوگا

نہ کر دل کو آلودۂ زنگِ فرقت
کہ یہ آئینہ پھر مصفا نہ ہوگا

ہزاروں چمن میں کھلے گل مجھے کیا
مرا غنچۂ دل کبھی وا نہ ہوگا

فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں
کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

غور کر دیکھا جہاں کعبہ تھا یا بت خانہ تھا
ایک تو اپنا تھا اور عالم بھی بیگانہ تھا

اس قدر بھی کلبۂ دل کو میرے ویران نہ کر
ایک دن وہ تھا کہ تو اس گھر کا صاحب خانہ تھا

دیکھتا فانوس میں نورِ تجلی کب تلک
جل گیا پردہ کے کرتے ہی سو یہ پروانہ تھا

سنتے سنتے لگ گئی ہے آنکھ تیرے یار کی
قصہ جاں کاہ تیرا کیا فغاں افسانہ تھا

تدبیر کا عبث[1] کو فغاں مبتلا ہوا
تقدیر کا مٹے نہیں ہرگز لکھا ہوا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع "تدبیر پہ عبث تو فغاں مبتلا ہوا"۔

ساقی نہ جام دے تیری ضائع ہوویگی مے — آتا ہی میری چشم سے دریا بہا ہوا
شانہ کی کشمکش[۱] سے اگر زلف کھل گئی — اے دل نکل شتاب تیرا دام وا ہوا
اے عندلیب تیرے جگر کو لگے گی آگ[۲] — ہرگز نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا
لایا نہیں ہے میرے لکھے کا جواب آہ — مرتا ہوں انتظار میں قاصد کو کیا ہوا
معلوم میں کیا تیرے رونے سے اے فغاں
تو خانماں خراب کہیں مبتلا ہوا

جس شخص کو ہو عشق کا آزار مرے گا — جیبے کا نہیں یہ تیرا بیمار مرے گا
بے شغل نہ رہ اس دل بسمل کو جلا دے — یکبار جیے گا تو کئی بار مرے گا
کیا دست سینہ جو کرے بال کشائی — رگ رگ کے میرا مرغ گرفتار رہے گا
منظور ہوا یار تجھے قتل رقیباں!
اس ضد سے فغاں اپنے تئیں مار مرے گا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا — لیکن میرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا
پہنچا گئے مجھے تیرے در تک یہ سیل اشک — اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

قطعہ

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو — کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

۱؎ ایضاً سینے ۲؎ گل کی قسم تیرے جگر کو لگے آگ نہ۔ بلبل نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا'
اس نسخہ میں دو شعر فاضل ہیں' ایک صحیح طور پر پڑھا نہیں جاتا' دوسرا یہ ہے'

دشت جنوں میں کود پڑے تو برہنہ پا — اب تو فغاں ندیم تیرا رہنما ہوا

تنہا نہ تیغ ناز سے دل آج کٹ گیا
ٹکڑے جگر بھی ہو صفِ مژگاں تک بٹ گیا

گل ہر سحر کرے ہی گریباں کو چاک چاک
اے عندلیب تیرا کلیجہ نہ پھٹ گیا

ثابت ہوئی نہ زلف بتاں کی گزندگی
یہ افعیٔ سیاہ تھا ڈس کر پلٹ گیا

کیوں کر رہا فغاں خم ابرو کے سامنے
رستم بھی اس کی تیغ کے آگے سے ہٹ گیا

ہرگز میرا وحشی نہ ہوا رام کسی کا
وہ صبح کو ہی یار میرا شام کسی کا

اس ہستیٔ موہوم میں ہرگز نہ کھلی چشم
معلوم کسی کو نہیں انجام کسی کا

اتنا کوئی کہہ دے کہ میرا یار کہاں ہی
باللہ نہیں لینے کا نہیں نام کسی کا

ہونے دے میرا چاک گریباں تیر ناصح
نکلے میرے ہاتھوں سے بھلا کام کسی کا

ناحق کو فغاں کے تئیں تشہیر کیا ہی
دنیا میں نہ ہو وے کوئی بدنام کسی کا[1]

دل دھڑکتا ہی کہ تو یار ہی سودائی کا
تیرے مجنوں کو کہاں پاس ہی رسوائی کا

برگ گل سے بھی کم اب کوہ غم اس نے جانا
یہ بھروسا تو نہ تھا دل کی توانائی کا

کیجے اب چاک گریباں کو بہار آئی ہی
ذکر بے لطف ہی یہاں صبر و شکیبائی کا

سرو ثابت قدم اس واسطے گلشن میں رہا
نہیں دیکھا کبھی جلوہ تیری رعنائی کا

زور منظور نظر تو تو فغاں رکھتا ہی
میں تو بندہ ہوں تیری چشم کی بینائی کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں حسب ذیل شعر فاضل ہی

جن حسب تنگ آوے نہیں قاصد کو نہ بھیجو
وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا

[2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہی" ندارد [3] ایضاً برگ گلشن سے کم [4] ایضاً تن

ازبسکہ آبلوں سے یہ معمور ہو گیا / دل تو بہ رنگ خوشۂ انگور ہو گیا
کیا دوں دیکھے ترے ناوکِ جفا کے تئیں / میرے بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا
اب کیا کرے گا اس کو مشبّکِ غمِ ناز / میرا جگر تو خانۂ زنبور ہو گیا

میں کہہ رہا فغاں کہ جگر کا علاج کر
یہاں تک رہا یہ زخم کہ ناسور ہو گیا

گر انصاف وہ سروِ شمشاد کرتا / مجھے کب غلامی سے آزاد کرتا
اگر تلخیٔ عشق شیریں نہ ہوتی / تو کیوں جاں کنی اتنی فرہاد کرتا

قطعہ

کہو اس ستم گر کو ظالم جسے تو / سپردِ دم تیغ جلاد کرتا
یکایک گرفتار دستِ قضا ہو / غرض مر گیا وہ جسے یاد کرتا

فغاں سچ تو یہ ہے اگر دل نہ ہوتا
ترے واسطے کون فریاد کرتا

کب[لے] درد سے دل کو تاب آیا / آنکھوں میں کہاں سے خواب آیا
اس دل کی تو یہ آرزو نہ نکلی / منہ دیکھتے ہی حجاب آیا
شاید کہ ہوا ہے خط نمودار / نامہ کا میرے جواب آیا

ہے تو بہ شکن وہ چشم میگوں!
پھر پی کے فغاں شراب آیا

نہ پوچھ عشق سے دل سر دیا کباب ہوا / یہ کچھ ہوا کہ میرا خانماں خراب ہوا

لے یہ غزل ونیہ لائبریری کے نسخہ میں حاشیہ پر تھی، پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کا حاشیہ کاغذ سے چپکا ہوا ہے،

بہا دیا ہی اے سیلِ اشک میں اے چشم[1] ہمارا سر نہ ہوا کا لُنہ حباب ہوا
رقیب دیکھ میرا حالِ زار روتا ہی یہ وہ مثل ہی جو کہتے ہیں دگ آب ہوا

اُسے[2] تو قتل کر آیا فغاں جو تھا بیمار
بھلا کیا ارے قاتل بڑا ثواب ہوا

تقصیر یہ ہوئی کہ تیرا یار ہوگیا[3] میں بے گناہ مفت گنہ گار ہوگیا
آنکھیں تو اس کو دیکھ بھی کرنے پایا[4] کہا دل خانماں خراب گرفتار ہوگیا
آگہ کر[5] رہیں ہیں کب تیرے خلخال پا ہمیں اپنے تعقیب سے کوئی بیدار ہوگیا

اب کیا کوئی کسی سے توقع رکھے فغاں
دلدار تھا میرا سو دل آزار ہوگیا

بوسہ[6] دیا ہی غیر کو کیا کام ہوگیا ظالم ترا عقیق تو بدنام ہوگیا
ہی وصلِ یار مرہم داغِ دلِ[7] فگار چھاتی سے جب لگا وہیں آرام ہوگیا

قطعہ

خونِ دلِ غریب کو پیتا ہوں ہر سحر لختِ جگر تو آخرِ قوتِ شام ہوگیا
اپنی کھولے ہم سفرانِ رہِ عدم میرا تو ہر طرح سے سر انجام ہوگیا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں۔ "نے" [2] ایضاً۔ "کہ" [3] ایضاً تو اس کو ن قتل کرایا...... بھلا ہوا میرے قاتل...... [4] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں مطلع یہ ہی: آنا ہمارے گھر ہیں تجھے عار ہوگیا۔ ایسا فغاں کے نام سے بیزار ہوگیا [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ "ہونے" [6] ایضاً آگاہ کیا کریں۔ [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ۔ بوسہ دیا فغاں کو یہ کیا کام ہوگیا [8] ایضاً دل تنگ،

کیوں کر نشفا نہ ہو دلِ بیمار کو فغاں
یہ اشکِ چشم روغنِ بادام ہو گیا

رازِ دل میرے سے محرم خویش و بیگانہ ہوا — قصۂ جانکاہ تھا میرا سو افسانہ ہوا
خاک ہو اس سے زیادہ امتحانِ سوزِ عشق — جل گیا دل یہاں تلک میرا کہ پروانہ ہوا
کیوں پیا پے جام تو دیتا ہے اے ساقی مجھے — مت چھلک جاوے کہیں لبریز پیمانہ ہوا

ہم نوایان اب بہار آئی فغاں کہتا ہے یوں
بھیجو زنجیر اس کو پھر دیوانہ ہوا

ایسی نگاہ کی کہ میرا[1] جی نکل گیا — قضیہ[2] مٹا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا
قابل اسی کے ہوں کہ سراپا ہو داغ داغ — اس نخل کی مراد یہی تھی کہ پھل گیا
بوئے کباب سوختہ آتی ہے آہ سے — ایسا میرے جگر کو جلایا کہ جل گیا

آتی ہے[3] اب بہار یہ سن بھیجو فغاں
زنجیر کو توڑ[4] کے دیوانہ نکل گیا

صورت[5] حالِ دلِ عاشق نمایاں ہو گیا — دیکھتے ہی آئینہ کو یار حیران ہو گیا

۱؎ تذکرۂ ہندی و تذکرۂ میر حسن "مرا" مجموعۂ نغز "میرا" ۲؎ تذکرۂ ہندی و مجموعۂ نغز "قصہ" تذکرۂ میر حسن "جھگڑا" نسخۂ خان بہادر محمد شفیع ع قصہ مٹا عذاب سے چھوٹا خلل گیا ۳؎ تذکرۂ ہندی ع آئی بہار پھر تو یہ سن بھیجو فغاں ۴؎ ایضاً "زنجیر" ۵؎ ایضاً "دوانا" خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں: آنے پہ بہار پھر تو سن بھیجو فغاں زنجیر کو ن توڑ کے دیوانہ نکل گیا ۶؎ خان بہادر محمد شفیع کے نسخے میں اس غزل کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے: اس میں غزل اس طرح ہے:

صورت حالِ عاشق نمایاں ہو گیا — رشتۂ زنار و تار گریباں ہو گیا
کھول مت تو کہیں اپنی گرہ اے زلفِ یار — دیکھتے ہی آئینہ کو یار حیران ہو گیا
دیکھ اس بت کو برہمن نے کیا چاک جیب — غنچۂ دل جب کھلا آخر پریشاں ہو گیا
اے فغاں جب سے جدا ہے اس پری رو کا گذر — کلبۂ احزان میرا تختِ سلیماں ہو گیا

دیکھ اس بت کو برہمن نے کیا ہی چاک جیب
رشتۂ زنار بھی تار گریباں ہو گیا

کھولنا مت تو کہیں اپنی گرہ زلفِ سیہ
غنچۂ دل جب کھلا تجھ سے پریشاں ہو گیا

اے فغاں جب سے ہوا ہی اس پریرو کا گذر
کلبۂ احزان میرا تخت سلیماں ہو گیا

کروں[1] کیا اے شب وصل اب ارادہ دلکشائی کا
میرے رونے کے خاطر پھر دھرا ہی دن جدائی کا

گواہ سجدۂ عشاق ہی خاکِ در الفت
نہیں مٹنے کا ہرگز نقش میری جبہ سائی کا

گرفتار قفس کو بے پر و بالی مزیب ہی
اسیر دام الفت نام مت لینا رہائی کا

چلا کوئے ستم گر کو دل آفت طلب میرا
ارادہ پھر کیا کمبخت نے بخت آزمائی کا

. . . . چشم میں لخت جگر یا خون دل دیکھا
. . . . کاسہ گدائی کا

رفتہ رفتہ بت[2] خوش قد میرا آفت ہو گا
قدم آگے جو رکھے گا تو قیامت ہو گا

کیا سبب ہی کہ نہ[3] آیا میرے نامہ کا جواب
خیر ہو یار کی قاصد تو سلامت ہو گا

دیدۂ زخم جگر چاہیے روشن ہو دیں
اے فغاں زخم جگر باعث راحت[4] ہو گا

دیکھنا کیا ہی مزا اے تو نمک پاشی کا
وہ بت سبز میرا کان ملاحت ہو گا[5]

قطعہ

لے زمیں تا بہ آسماں دیکھا
ہم نے تجھ کو کہاں کہاں دیکھا

نہ تھکا کارواں اشک کبھی
نت یہی قافلہ رواں دیکھا

---

[1] یہ غزل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے حاشیہ پر ہی جو پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں نہیں، مقطع کا دوسرا مصرعہ پڑھا نہیں جاتا [2] تذکرہ ہندی "بہت" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تک" [5] اس غزل کے آخر دو شعر کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی تھی، خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ سے ملا کر دونوں مصرعوں کی تصحیح کر دی گئی ہی۔

ایک دم کب ملی ہی فرصت دید — آنکھ بھر کر تجھے کہاں دیکھا

قطعہ

جب تلک ہم رہی چمن میں فغاں — تب تلک جور باغباں دیکھا

آ گئے دام میں تو وہاں شب و روز — روئے صیاد مہرباں دیکھا

اب جو آئے قفس سے چھوٹ کے ہم — گل کہاں موسم خزاں دیکھا

کچھ نہ دیکھا چمن میں پھر آ کر

ایک اجڑا سا آشیاں دیکھا

ہوا کب خشک بہتا ہی رہا ناسور آنکھوں کا — نیا رونا نہیں سادھا یہ ہی دستور آنکھوں کا

زیادہ اس سے کچھ چلتا نہیں مقدور آنکھوں کا — کہ رو کر چھوٹ جاویں ہی یہی منظور آنکھوں کا

خدا جانے کہ یہ کس خوش نگہ سے تاک رکھتا ہی — ہمیشہ پھولتا پھلتا رہا انگور آنکھوں کا

یہ دل اے مردمان مفتون چشم خوش نگاہاں ہی — رلاوے گا مجھے مت کیجیو مذکور آنکھوں کا

عجب کیا ہی اگر زخم جگر کو فائدہ بخشے — نمک پروردہ ہی آخر یہ اشک شور آنکھوں کا

میرے گریہ کے آگے دیدۂ یعقوب حیراں ہی

عسہ . روتے ہی روتے اڑ گیا ہی نور آنکھوں کا

[1] تیر مژگاں تیرا سو در نہ ہونے پایا — دل پر درد کا غم خوار نہ ہونے پایا

اے زلیخا غضب آوے ترے[2] سو کھچے تیلیں — کوئی یوسف کا خریدار نہ ہونے پایا

کشش[3] دام نے لی جان ہماری صیاد — میں قفس میں بھی گرفتار نہ ہونے پایا

نہ ملی شمع صفت مجھ کو فراغت آخر — سر کٹایا پہ سبکبار نہ ہونے پایا

کیجیے جرم یہاں تک کہ وہ تشہیر کرے — اس قدر بھی تو گنہگار نہ ہونے پایا

عسہ ایک لفظ حاشیہ میں کٹ گیا ہی [1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ۔ ع تیر کیا شست تھا جو پار نہ ہونے پایا
[2] ایضاً ترے دو کچھے تیلیں [3] ایضاً کشش دام میں ہی جان ہماری صیاد ۔ میں قفس میں تھا گرفتار نہ ہونے پایا

چشم عشاق نے ہرگز نہ تجلی دیکھی لگ گئی آنکھ پہ دیدار نہ ہونے پایا
رات بالیں پہ ترے ہو گیا قاتل دیکھا[1]
تو فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا

مشہد طرف میرے گذر اے یار کیوں کیا آسودگان خاک کو بیدار کیوں کیا
منظور تھی جفا تو ملاقات تھی غلط اتنے لیے کسی کو گنہگار کیوں کیا
بس کہہ رہا فغاں تو کہیں مبتلا نہ ہو
بیٹھے بٹھائے دل کو گرفتار کیوں کیا

اڑوں تو پر نہیں رکھتا چلوں تو پا نہیں رکھتا رہا کر یا نہ کر صیاد میں پروا نہیں رکھتا
پلک کے مارتے مردم کو غرق بحر خوں کر دے سرشک چشم میں یہ لہر یہ دریا نہیں رکھتا

قطعہ

فغاں کل یار سے اپنے یہ درد دل سناتا تھا کہ میں عاشق تو ہوں پر دل میں تیری جا نہیں رکھتا
گرا جو کوہ غم مجھ پر اسے کیا کوہ کن جانے جہاں پھرتا ہوں اس وادی میں مجنوں پا نہیں رکھتا
لگا کر ہاتھ تک دیکھو میرے چاک گریباں کو کہ یہ وسعت تو ہرگز دامن صحرا نہیں رکھتا
جگر کا زخم کاری ہے سرشک چشم جاری ہے تجھے کیا چاہیے مجھ سے بھلا میں کیا نہیں رکھتا
مغاں بدمست ہے پی دمبدم خوننابہ دل کو فغاں گردوں پہ اپنی منت مینا نہیں رکھتا
مکاں کس طرح سے تحقیق ہو خانہ بدوشوں کا
فغاں کا گھر نہ پوچھو آشیاں عنقا نہیں رکھتا

ہے[2] غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا نہ تو یوسف ہی رہا واں نہ خریدار رہا

---

[1] ایضاً رات بالیں پہ میرے آ بادہ قاصد دیکھا اے فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا [2] اس غزل کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پر ایک غزل لکھی ہے جسکا کچھ حصہ جلد بندی میں کٹ گیا ہے۔ اس لیے پوری غزل صاف پڑھی نہیں جاتی [3] یہ غزل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے حاشیہ پر تھی۔

شب خدا جانے کہاں تھا میرا خورشید نہاں | شام تک سر پہ میرے سایۂ دیوار رہا
ہمنوایانِ چمن کنجِ قفس سے نکلے | ایک میں طائرِ بے بال گرفتار رہا

زندگی یہ ہے اگر عمر کٹے یار کے ساتھ
کون جیتا ہے اگر دل کو فغاں مار رہا

ابھی مٹا نہیں دعوئ ستم رسیدوں کا | کفن ہوا نہیں میلا ترے شہیدوں کا
بہائے خونِ شہیداں تجھے معاف ہے داد | کہ سر بلند کیا تو نے حق رسیدوں کا
برنگ طائرِ بسمل موئے یہ کشتۂ عشق | کسی نے غم نہ کیا خاک و خوں طپیدوں کا
دہن کو دیکھ تیرے ہونٹ چاٹتے رہ گئے | بھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

دل غریب کو کیا کیا بلا دکھا نہ چکے
فغاں میں جان سے دشمن ہوں اپنے دیدوں کا

[۱] میرے صنم کو مگر تیغ کیا نہیں دیکھا | [۲] غلط ہے یہ جو کسی نے خدا نہیں دیکھا
جفا و جور و مصیبت وفا و مہر و کرم | [۳] الٹی پھوٹیں ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

کہیں نگاہ پڑے گی تو جان جاوے گا
خدا کے واسطے آگے سے جا نہیں دیکھا

سر کو فدائے خنجرِ بیداد کر چکا | پہنچا میں اپنی داد کو فریاد کر چکا
گو بزمِ غیر میں نہیں لایا زباں پہ نام | دل میں ہزار بار تجھے یاد کر چکا
شوخی کو اس کی دیکھ کے کہتی ہیں مردمک | یہ طفلِ اشک خدمتِ استاد کر چکا
شاداں خدا کرے تو کرے اس ملول کو | دل شاد ہو چکا وہ اسے شاد کر چکا

---

[۱] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ غزل بہت ہی غلط لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً اس کا پہلا مصرعہ اس طرح درج ہے "یہ صنم کو مگر تیغ آ نہیں دیکھا" [۲] ایضاً غلط ہے یہ کہ کسو نے خدا نہیں دیکھا [۳] ایضاً الٹی پھرتی ہے آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا۔

کوئے ستمگراں میں نشانِ فغاں کہاں
اس مشتِ خاک کو کوئی برباد کر چکا

مجھ کو تیری گلی سے اٹھایا تو کیا ہوا　　اس خاک کو کسی نے اڑایا تو کیا ہوا
ممکن نہیں کہ تارِ نگہ بن ہو رفو　　چاک جگر کسی نے سلایا تو کیا ہوا

ہم کو تو وصل و ہجر مساوات ہو گیا
آیا تو کیا ہوا جو نہ آیا تو کیا ہوا

مت قصد کر صبا تو دلِ داغ دار کا　　ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا
رنگِ حنا ہیں کفِ پا پر تیرے ہی کیوں[۱]　　پامال خوں کیا ہے کسی خاکسار کا

رکھتا ہے[۲] وصل میں در و دیوار پر نظر
تجھ کو مزا پڑا ہے فغاں انتظار کا

نہیں پہاڑ ابھی دکھلانے کو میں پیرِ عشق اپنا　　ہمیں تو گور میں بھی چاک کرنا ہے کفن اپنا
خدا کے واسطے مت لیجیو تو نام شیریں کا　　ابھی سر پھوڑ دے گا اے خسرو کوہکن اپنا

یہاں تک گوش بر آواز قاصد ہے فغاں کی
اگر کچھ بولتا ہے تو نہیں سنتا سخن اپنا

میرا سر گو تیرے[۳] ہاتھوں سے مثلِ کوہکن پھٹتا　　و لیکن[۴] دل کو کب تجھ سے بھلا شیریں پن پھٹتا
نہ لگتے ہاتھ تو میرا گریباں گیر ہوتا ہے　　معاذ اللہ[۵] اگر دامن تیرا اے سیم تن پھٹتا

جنوں کرتا فغاں گر دستگیری بعد مرنے کے
تو مجھ حسرت بھرے کا کس مزے سے یہ کفن پھٹتا

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع، تذکرہ مہدی (صفحہ ۱۶)، گلشن بے خار (صفحہ ۲۲) "کرتا ہے"　۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع
ع۔ میرا دل تیرے　۳؎ ایضاً و لیکن دل میرا کب تجھ سے اے شیریں دہن پھٹتا　۴؎ ایضاً معاذ اللہ اگر دامن
بنائے ساتھ بن پھٹتا

حرماں میں یہ دل تجھ[1] کو کر یاد بہت رویا
جب وصل ہوا حاصل ہو شاد[2] بہت رویا

سن کوہ و بیاباں میں شہرہ میری وحشت کا
مجنوں تو بہت پیٹا فرہاد بہت رویا

قطرہ بھی فغاں خون کا باقی نہ رہا تن[3] میں
منہ دیکھتے ہی میرا جلاّد بہت رویا

قاتل بھی مجھ کو دیکھ کے بیتاب ہوگیا
فولاد کا جگر بھی یہاں آب ہوگیا

مت رکھ خیال ہستی نا پائدار پر
جب آنکھ موند لی تو یہ سب خواب ہوگیا

بیچوں میں کس کے ہاتھ دل داغدار کو
خواہاں ہماری جنس کا نایاب ہوگیا

پایا نہ ایک لخت کا میں نے نشاں فغاں
کیا پارۂ جگر میرا سیماب ہوگیا

آج کیا خون بہایا کسی فریادی کا
کچھ زیادہ ہوا شہرہ تیری جلاّدی کا

دسترس میری اگر ہو ترے داماں تلک
جیب تک ہاتھ نہ پہنچے کسی فریادی کا

آج ہی دختر رز کے تئیں کل دیں طلاق
ہم کو ہے شیخ ارادہ تیری دامادی کا

کروں[4] کیا اے شب وصل اب ارادہ دلکشائی کا
میرے رونے کی خاطر پھر دھرا ہے دن جدائی کا

گواہ سجدۂ عشاق ہے خاک در الفت
نہیں مٹنے کا ہرگز نقش میری جبہ سائی کا

گرفتار قفس کو بے پر و بالی غریب ہے کو
اسیر دام الفت نام مت لینا رہائی کا

چلا کوئی ستمگر کو دل آفت طلب میرا
ارادہ پھر کیا کم بخت نے بخت آزمائی کا

---

[1] نسخۂ خان بہادر محمد تنقیع "تجھکو" [2] ایضاً "کر یاد" [3] ایضاً۔ قطرہ بھی کہیں تن میں خون کا نہ رہا باقی [4] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر تھی۔

فغاں اس چشم میں لختِ جگر یا خونِ دل دیکھا
کبھی خالی نہ پایا ہم نے یہ کاسہ گدائی کا

خدا کے واسطے قاتل تو[1] انفعال نہ کھینچ
تیری بلا[2] سے میرے سر پہ جو ہوا سو ہوا
وہ کون شخص ہے جو چشمِ تر نہیں رکھتا
فغاں خدا سے ڈر اتنا نہ رو ہوا سو ہوا

ہوا آخر وہی جو کچھ مری قسمت میں ہونا تھا
کوئی کہتا ہے جادو تھا کوئی کہتا ہے ٹونا تھا
تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی تھی
مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر[3] رات رونا تھا
سحر ہوتے ہی دیکھا یار کو[4] بالیں پر اس کے
فغاں[5] کیا سو گیا رو رو کے ہے ظالم نہ سونا تھا

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا
پھوٹے نہ[6] اس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیلِ اشک
تر اس قدر ہے کاہے کو دامن سحاب کا
پہنچا[7] یو تو خاک فغاں کی وہاں صبا[8]
مشہد ہے جس طرف کو[9] میرے بو تراب کا

دل ان زلفوں میں پھنس کر کیا کرے گا
یہ کالا ناگ ڈس کر کیا کرے گا
تبسم کرکے کیا غنچہ نے پایا
گرفتہ دل تو ہنس کر کیا کرے گا
ارادہ دیکھیے قاتل کا کیا ہے
کمر کستا ہے کس کو کیا کرے گا
خمار آخر کو ہے بادہ کشی میں
ارے میخوار بس کر کیا کرے گا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "اب"۔ [2] ایضاً تیری بلا میرے سر پہ [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ "روز" [4] ایضاً "کوں"۔ [5] ایضاً فغاں کیا سو گیا رو رو کے او ظالم نہ سونا تھا [6] ایضاً "یہ"۔ [7] ایضاً پہنچائیو [8] ایضاً جلبہ [9] ایضاً کون

صنم تو رام نہیں ہوتا فغاں سے
الٰہی دل ترس کر کیا کرے گا

اگر عاشق کوئی پیدا نہ ہوتا ‏ ‏ تو معشوقوں کا یہ چرچا نہ ہوتا
گریباں چاک کر روتے کہاں ہم ‏ ‏ اگر یہ دامن صحرا نہ ہوتا
سدا رہتی توقع بلبلوں کو ‏ ‏ اگر یہ غنچۂ گل وا نہ ہوتا
جدائی میں اگر آنکھیں نہ روتیں ‏ ‏ تو ہرگز راز دل افشا نہ ہوتا

فغاں کون اب خریدار سخن تھا
اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

دل کو ناز دنیا نہ میں پایا ‏ ‏ کس نشیب و فراز میں پایا
دل[1] سے محمود کے کوئی دیکھے ‏ ‏ ان نے[2] کیا کچھ ایاز میں پایا
دیکھیو[3] شیخ جی کے ماتے کو ‏ ‏ یہ نتیجہ نماز میں پایا

بے سبب شمع کب جلے ہے فغاں[4]
لطف سوز و گداز میں پایا

جبہ سائی کا نشاں مجھ سے چھپایا نہ گیا ‏ ‏ خط تقدیر یہ تھا شاید کہ مٹایا نہ گیا
حیف صد حیف کہ اس بزم سے یاران عزیز ‏ ‏ چل بسے وہاں کہ جہاں سے تو پھر آیا نہ گیا

نہ ہوا سوزن مژگاں سے رفو چاک جگر
چھن گیا میرا کلیجہ پہ سلایا نہ گیا

میں اگر آرزوئے وصل میں مرجاؤنگا ‏ ‏ حسرت دل کو بھلا لیکے کدھر جاؤں گا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ دل میں [2] ایضاً "اون نے" [3] ایضاً دیکھیو شیخ جیو کے لمنے کو۔ کیا شیخ نماز میں پایا۔ جو غلط ہے [4] ایضاً بے سبب کب جلے ہے شمع فغاں

روسیاہ ہوں میں ترے مثل نگیں ہو ظالم | میں ترا نام نکالوں گا جدھر جاؤں گا
ہیں تو اس ہستی موہوم میں مانند سحاب | دل بھر آیا ہوں پر دیدہ تر جاؤں گا
توشۂ رہ تیرے مقتولوں کو درکار نہیں | گو رہیں لیکے یہی لخت جگر جاؤں گا

آتش عشق نہ کم ہووے دم آخر تک
شمع ساں گو میں فغاں سر سے گذر جاؤنگا

فتادگان رہ عشق کو اٹھا لینا | رکھی ہو اجر دعائے شکستہ پا لینا
تجھے تو شیشہ گری چاہیے مرے دل کی | اگر یہ ٹوٹ گیا ہو تو پھر بنا لینا
کہاں تلک ترے پاؤں پہ دل مرا ٹوٹے | خدا کے واسطے چھاتی سے ٹک لگا لینا
غبار خاطر آزادہ گاں ہی خواہش فرش | جو بے ریا ہی تو مت نقش بوریا لینا
معاش یہ ہی کہ نت خون دل کو پیتا ہوں | جو آ گیا کوئی لخت جگر تو کھا لینا

فغاں یہ ننگ ہی باللہ عشق بازی کا
جو دل کو ہار کے جیتے تو پھر گیا لینا

جب تک جیا یہ صید گنہگار ہی رہا | مرتے تلک قفس میں گرفتار ہی رہا
چاہا بہت کہ خانۂ دل میں ہو گوشہ گیر | لیکن خدنگ ناز ترا پار ہی رہا
کب چھوڑتا قدم کو ترے لیک کیا کروں | مانند نقش پا کے میں ناچار ہی رہا
پالا ہی میں نے دشمن جانی بغل کے بیچ | دل خانماں خراب مجھے مار ہی رہا
یہ ہی غلط کہ گرسنۂ ناز سیر ہو | میں تو مدام تشنۂ دیدار ہی رہا

قطعہ

سوئے شب فراق میں آرام سے فغاں | یہ ہی خیال محض وہ بیدار ہی رہا
کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک

یکتا ہوا سدا درو دیوار ہی رہا

ہے[لہ] غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا
نہ تو یوسف ہی رہا واں نہ خریدار رہا

شب خدا جانے کہاں تھا مرا خورشید لقا
شام تک سر پہ مرے سایۂ دیوار رہا

ہم نوایان چمن کنج قفس سے نکلے
ایک میں طائر بے بال گرفتار رہا

زندگی تھی ہی اگر عمر کٹی یار کے ساتھ
کون جیتا ہے اگر دل کو فغاں مار رہا

بہار آئی ہے سوتے کو ٹک جگا دینا
جنوں ذرہ مری زنجیر کو ہلا دینا

ترے لبوں سے اگر ہو سکے مسیحائی
تو ایک بات میں جیتا ہوں میں جلا دینا

اب آکے دیکھیے جیتوں نہ جیتوں یا قسمت
مری بساط میں دل ہے اسے لگا دینا

رہوں نہ گرمیٔ مجلس سے میں تری محروم
سپند وار مجھے بھی ذرہ تو جا دینا

خدا کرے تری زلف سیہ کی عمر دراز
کبھی بلا مجھے لینا کبھی دعا دینا

بہ رنگ غنچہ زر گل کے تئیں گرہ مت باندھ
فغاں جو ہاتھ میں آوے اسے اڑا دینا

بام پر اپنے کھڑا وہ خانماں آباد تھا
قہر تھا، طوفان تھا، بیطرح تھا، بیداد تھا

میں نے طفلی میں بھی گہوارہ نہ دیکھا جز قفس
کب کھلے تھے بال و پر یہ صید کب آزاد تھا

دیکھ مجھ کو موم ہو گئی ہاتھ میں قاتل کے تیغ
اب کرے ڈالا اسے جس کا جگر فولاد تھا

[لہ] اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر یہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں،

شور ہے آمد آمد گل کا
یہ تو غل جان لے گا بلبل کا

غیر خواہش سبھی بہیا ہے
زور اسباب ہے توکل کا

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرت ندیم
پیر تھا، مرشد تھا، ہادی تھا، میرا استاد تھا

جب گلشن بہار کو رنگ خزاں نہ تھا — مشفق ہمارے حال پہ تو مہرباں نہ تھا
دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے — گویا میرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا

دیر و حرم تلک تو فغاں سیر کر چکے
یہ ہے غلط کہ یار ہمارا کہاں نہ تھا

ہوے نہ دیر کے ساکن نہ کی کعبہ میں جا پیدا — الٰہی ہم نے اس دنیا میں آکر کیا کیا پیدا
موئے ہم اس تمنا میں نہ نکلی آرزو دل کی — کہ جب پایا اُسے تنہا ہوا ایک آشنا پیدا

لکھی از بس فغاں تعریف اس کے دست رنگیں کی
کیا اوراق دیواں نے مرے رنگ حنا پیدا

یہاں تک نغمہ سازی میں تو کی ہم نے زباں پیدا — نوا دی بے نواؤں کو کیا نے نے فغاں پیدا
گذر ہے ناقۂ لیلیٰ کا شاید خاک مجنوں پر — ہوئی اس دشت میں پھر آج گرد کارواں پیدا
نہ لگتا ہے اسے مرجاں دنے لعل خشاں بھی — کرے گی کون سا یاقوت چشم خونفشاں پیدا
وفا یہ کس کو آتی ہے جفا یہ کس کو بھاتی ہے — ہوا مجھ سا کہاں خلقت ہوا تجھ سا کہاں پیدا

مزار کشتۂ الفت زیارت گاہ عالم ہے
کیا اس لوح[۱] نے آخر فغاں نام و نشاں پیدا

(ب)

کون کہتا ہے ہماری چشم میں آتا ہے خواب — یہ تو وہ آنکھیں ہیں جن کو دیکھ اڑ جاتا ہے خواب
کیوں اٹھا دیں سر کو بالیں سے شب تنہائی میں ہم — خاک بیداری میں کیا کیا لطف دکھلاتا ہے خواب

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کرن" ۵۲ "ایضاً" ۔

کچھ کا کچھ ہو جائے گا غافل نہ کر آنکھوں کو بند دیکھ بیداری غنیمت ہے ابھی آتا ہے خواب

یہ خیال خام ہے کہتے ہیں سوتا ہے فغاںؔ
اشک کے ہوتے نین میں راہ کب پاتا ہے خواب

عبث کو ہوتے ہو تم بدگماں میرے[1] صاحب قسم ہے لیجیے حاضر ہے جاں میرے صاحب
تیری تو حد سے زیادہ ہیں گالیاں کھائیں بس اب سنبھالو تم اپنی زباں میرے صاحب

فغاں نہ کہہ تیرے[2] کہنے کی احتیاج نہیں
یہ عشق ایسا ہی ظالم ہے ہاں مرے صاحب

(ت)

کرے ہے تیغ آزمائی کے لیے وہ دلستاں منت اگر اس واسطے مارا پڑے عاشق بجا منت
بہ رنگ نقش پا فارغ ہوں چشم دستگیری سے اٹھا سکتا نہیں میرا یہ جسم ناتواں منت
اگر ہووے سخن سے آشنا اے گل دہن تیرا عجب کیا ہے کرے سو بار غنچہ کی زباں منت

نہ سمجھے ہے نہ بوجھے ہے نہ جانے ہے سنانے ہے!
کروں اس بیوفائی کیش کی کہاں تک اے فغاں منت

کیا پیالے جام تو پیتا ہے اے میخوار مست شیشہ دل کو چھپاتا ہیں در و دیوار مست
چشم پوشی اس قدر ساقی تجھے لازم نہیں وہ پیالہ دے کہ ہو جاویں سبھی یکبار مست
لوٹنے دے پاؤں پہ اپنے دل مخمور کو ہوش اپنے میں نہیں اس وقت ہے ناچار مست

---

[1] کتب خانہ الاصلاح، پنجاب یونیورسٹی اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخوں میں "میرا صاحب" ہے
تذکرہ ہندی میں اس غزل کا مقطع "مرے صاحب" کے ساتھ درج ہے۔ [2] تذکرہ ہندی
(قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تیری"

بے خودی کا جام کیفیت سے خالی ہو نہیں — بادۂ غفلت نے آخر کر دیے ہشیار مست
چشم کس میخوار کی دیکھی ہے گلشن میں کہ آج — ہو گئی ہے اس قدر یہ نرگس بیمار مست
آج کس میخوار کا پھوڑا ہے پھولا دشت میں — ڈستے ہیں پاؤں پر میرے ہوئے ہیں خار مست
اے فغاں کس کام آوے گا ترا لخت جگر
کیوں گزک تیار نہیں کرتا ہوا ہے یار مست

میرا ہم چشم یار و ابر ہو سکتا ہے کیا قدرت — کوئی میرے برابر آج رو سکتا ہے کیا قدرت
خدا جانے یہ کیوں کر لگ رہی ہیں نوک مژگاں سے — کوئی ان موتیوں کے تئیں پرو سکتا ہے کیا قدرت
رقیب روسیہ گرگشت دشت میں لائے لانے دو
میرے خوں کو ترے دامن سے دھو سکتا ہے کیا قدرت

تجھ سے رقیب ہنستے[1] یہ بھی خدا کی قدرت — ہم یوں رہیں[2] ترستے یہ بھی[3] خدا کی قدرت
دل دوڑں[4] میں روتے روتے یہ بھی نصیب میرے[5] — جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی[6] خدا کی قدرت
سب کی گلی سے لگا بند قبا کو وا کر — ہم پھر کر[7] رہیں کستے یہ بھی[8] خدا کی قدرت
پتھروں کے مول لڑکے لیتے نہیں ہیں ان[9] کو
سر یوں ہوئے ہیں سستے یہ بھی[10] خدا کی قدرت

(ث)

دام گیسو میں پھنسا جا کے مرے[11] یار عبث — دل آزاد ہوا تو تو گرفتار عبث
جذبہ عشق نپٹ خانہ خرابی یہ ہے — حائل[12] یار ہوئے ہیں در و دیوار عبث

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہے" [2] ایضاً ہم یوں ہی رہیں [3] ایضاً "ہے" [4] ایضاً دو دل میں [5] ایضاً "ہے" [6] ایضاً "ہے" [7] تینوں قلمی نسخوں میں "پر" ہے [8] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "سر کو" [9] ایضاً "ہے" [10] ایضاً تو میرے یار [11] ایضاً حائل ہو سکے میرے (؟)

بے گناہوں کو کرے قتل تو وہ ظالم ہی
تجھ سے رکھتا ہی توقع یہ گنہ گار عبث

قطعہ

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا — کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور
تیری تسبیح غلط ہی تیرا زنار عبث

(ج)

ناصح نہ منع کر تو مجھے عاشقی سے آج — ایسا خیال کوئی نکلتا ہی جی سے آج
قاتل ترا کہاں ہی نمک داں کو وا کرے — کرتا ہی شور زخم جگر تشنگی سے آج
یارو میرے مزار پہ آوے اگر وہ گل — پھولا نہ میں سماؤں کفن میں خوشی سے آج
آنکھیں پر اشک سینہ پر آتش جگر کباب
حاصل یہ کچھ ہوا ہی فغاں عاشقی سے آج

لیتا نہیں ہی تو تو فغاں کا سلام آج — منہ دیکھ رہ گیا ہی ترا یہ غلام آج

قطعہ

کرتا ہوں میں جناب الٰہی میں یہ دعا — آجاوے اے خدا وہ میرا خوشخرام آج
میں یہ کہوں کہ اب تو ذرہ گوش دل سے سن — بیدرد ہو چکا ہی یہ قصہ تمام آج

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تیغ" ۲؎ ایضاً "کیونکہ" ۳؎ ایضاً "میرا" ۴؎ ایضاً "تو" ۵؎ ایضاً "یہ میرا" ۶؎ ایضاً "کرتا ہوں یوں خطاب"

کیا پوچھتا ہی جان نکلنے کی تو خبر
ساعت میں کوئی دم میں ابھی صبح و شام آج

خدا کسی کو کسی کا[1] نہ اب کرے محتاج — خصوص جو تیرا محتاج ہو مرے محتاج
فغاں[2] کے تئیں نہ بلایا نہ لطف فرمایا — قطعہ — یہی سنا میں زباں سے کہ جا پرے محتاج
نہ رُو[3] سیہ جو پھر آیا تو مت ملامت کر — غرض بری ہی میری جان کیا کرے محتاج
نہ التفات نہ مہر و وفا نہ لطف و کرم — قطعہ — غلط ہی اس کی سخاوت کا غل ارے محتاج
ہمیں تو خاک نہ دے دے گا وہ اذیت بن
جو یہ ہی حاتم طائی تو ہم ترے محتاج

(ح)

رفو نے داغ جگر کو چھپا دیا ناصح — میرے چراغ کو ناحق بجھا دیا ناصح
نہ وہ تپاک نہ جوشش نہ اتحاد نہ ربط — غضب کیا اسے کیا کیا سکھا دیا ناصح
رفو کرے تھا جسے تو ہزار محنت سے — ہیں تار تار اس کو اڑا دیا ناصح
ضرور کیا ہی نصیحت میں آوے یار کا نام — مجھے تو ہنستے ہی ہنستے رلا دیا ناصح
وہی جنوں وہی دیوانگی وہی وحشت
نصیحتوں کو فغاں نے بھلا دیا ناصح

(خ)[5]

---

[1] ایضاً کسو [2] ایضاً کیسے فغاں کو بلا کر نہ لطف فرمایا [3] ایضاً یہ روسیہ پھر آیا [5] پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر ایک غزل کا مطلع یہ ہی "ہوا ہی نشترِ مژگاں سے یہ جگر سوراخ کہاں خانۂ زنبور اس قدر سوراخ" مگر جلد بندی سے اس کے کچھ حصے ایسے کٹ گئے ہیں کہ پوری غزل نقل نہیں کی جا سکتی

ہم تو مرتے ہیں تڑپتے ہوئے زندان کے بیچ — مفت لٹتی ہے بہار آج گلستان کے بیچ ۱؎
ہے زیادہ یہ میرا زخم جگر اے قاتل — دیکھیو توں نہ کم ہووے نمکدان کے بیچ
مسکرانا ترا کیا کم ہے میاں ۲؎ تیغ نہ کھینچ — کیا مرا جی نہ نکل جائے گا ۳؎ اس آن کے بیچ
موئے ۶؎ سر صاف دیوانوں ۴؎ کے نظر آتے ہیں — کیا مگر خاک نہیں آج بیابان کے بیچ
یاد کر گوشۂ داماں کو اس ظالم کے — سخت الجھا ہے میرا دست گریبان کے بیچ

غل اٹھا مصرعہ حشمت کا فغاں زنداں میں ۵؎
پھر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

چمن کو چھوڑ کے بلبل مر گئے ۷؎ قفس کے بیچ — خدا کسی کو نہ ڈالے کسی کے بس کے بیچ
رہا نہ قیس جہاں میں نہ ناقۂ لیلے — کسی کی دے کے صدا رہ گئی جرس کے بیچ

قطعہ

دل حزیں میرا نالاں ہو یوں لگا کہنے — پڑا ہوں میں تو فغاں کس برے کے بس کے بیچ
اگر میں خاک بھی ہو جاؤں راہ میں اس کی — کہاں ہے رحم و کرم میرے دادرس کے بیچ

جو سربلند ہوں دریائے عشق میں آکر
حباب وار خرابی ہے ایک ۸؎ نفس کے بیچ

۱؎ یہ شعر چمنستان شعراء (ص ۴۹۲) میں اس طرح درج ہے۔ ہم تو مرتے ہی تڑپتے پڑے زندان کے بیچ + مفت لٹتی ہے بہار آہ گلستان کے بیچ۔ ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ یہاں ۳؎ ایضاً کیا بری جان نکل جاویگی اس آن کے بیچ' چمنستان شعراء میں وہی مصرعہ ہے جو دیوان میں ہے صرف 'جائیگا' کے بجائے 'جاوے گا' ہے ۴؎ چمنستان شعراء دوانے ۵؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع غل اٹھا مصرعہ حشمت کا سنداں میں + پھر زنجیر کا جھنکار پڑا کان کے بیچ' چمنستان شعراء میں دوسرا مصرعہ اس طرح ہے۔ پھر یہ زنجیر کی جھنکار مرے کان کے بیچ۔ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ اور چمنستان شعراء میں اس غزل میں ایک اور شعر یہ ہے: میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف + شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ ۶؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ موئے ۷؎ ایضاً یوں ندارد ۸؎ ایضاً "یک"

تڑپے ہی دست پھر کسی آرزو کے پیچ[۱] — ناصح نہ دیجیو کبھو ہرگز رفو کے پیچ
داؤد کا بھی لحن فراموش ہو گیا — اے نے بلا ہی درد ہی تیرے گلو کے پیچ
قاتل کا داد خواہ ہیں کیوں کر ہوں حشر میں
لہو ہو میرا بہا ہی دیا شست و شو کے پیچ[۲]

(ل)

چمن میں آج تو سنتا ہی اے فغاں فریاد — اجڑ گیا کسی بلبل کا آشیاں فریاد
غلط ہی یہ کہ میری داد کو کوئی پہنچے — سنے[۳] گا کون تیری کیجے کہاں فریاد

قطعہ

نہ مجھ سے پوچھ تیری کس طرح کٹیں[۴] راتیں — شب فراق میں یہاں تک تو کی فغاں فریاد
سحر کو یار سے اہل جوار کہتے ہیں — گیا کرے ہی یہ بیمار ہر زماں فریاد
انھیں[۵] تو داد ہی منظور مجھ کو نالہ کشی
ہوئے ہیں باعث ایذائے دوستاں فریاد

ر

لکھنا[۶] اے نامہ بر در و دیوار یار پر — گذرا[۷] جو کچھ الم دل امیدوار پر
مرتا ہوں زلف و عارض گلگوں یار پر — ٹک چشم وا کرو میرے لیل و نہار پر

لہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر ایک غزل ہی جس کے قوافی و ردیف تصویر کھینچ شمشیر کھینچ ہیں مگر جلد بندی میں حاشیہ کے کٹ جانے سے پوری غزل پڑھی نہیں جاتی۔ لہ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کھو" سے نسخہ خان بہادر محمد شفیع سے کون کہاں کیجے پڑے فریاد گے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کٹے" اس نسخہ میں اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہی: کیا کرے ہی یہ بیمار ہر زماں فریاد ھ ایضاً در ۲۶ مجموعہ نغز کہہ رکھیو۔ گے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ستم"

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے[1] رکاب میں
تجھ کو خدا نہ لاوے ہمارے[2] مزار پر

صحرا میں جا[3] کے اے کوئی پامال مت کرو
مجنوں[4] کا جم رہا ہی لہو خار خار پر

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
اتنا نہ[5] تھا گمان ترے صبر و قرار پر

برابر[6] ہو گیا حرماں سے دیکھا وصل یار آخر
یہ کچھ لایا ہماری چشم او پر انتظار آخر

میری آنکھوں میں اشک سرخ مثل گل شگفتہ تھے
پلک کے مارتے ہی ہو گئی فصل بہار آخر

اگرچہ ساغر چشم بتاں رکھتا ہی کیفیت
پر اس بادہ کسی کا کھینچنا ہم کو خمار آخر

توقع کیا رکھے کوئی کسی سے اس زمانہ میں
ہوا ہی دشمن جانی وہ میرا دوستدار آخر

کیا ہی چاک جیب صبر کو دست تمنا نے
فغاں کیا ہو گیا وہ وعدۂ بوس و کنار آخر

آج[7] تو سنتا ہوں گلشن کے لُٹانے کی خبر
آہ کیوں کر دوں میں اپنے آشیانے کی خبر

دیکھتا ہوں کچھ غبار آلودہ گردوں کے تئیں[8]
کیا اسے پہنچی ہی میرے خاک اڑانے کی خبر

پی کے اشک چشم کھا لخت جگر رہتا ہوں سیر[9]
گو نہ لے[10] صیاد میرے آب و دانے کی خبر

بغیر ساقی یہ ابر ظالم ستم کرے گا برس برس کر
بھریں گے کیوں کر یہ ساغر مر جائیں گے میکش ترس ترس کر

یہاں تلک تو بہا تر اخوں ہوا ہی جامہ تمام گلگوں
گیا وہ قاتل تڑپ پہ چکا تو اے مرغ بسمل اب آ کے بس کر

---

[1] مجموعۂ نغز: نہ ہووین [2] مجموعۂ نغز، تذکرۂ ہندی، گلشن بے خار: ہمارے [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع: میں نہ جا؛ مذارد [4] ایضاً: مجنوں کا جم رہا ہو خار خار پر [5] ایضاً و تذکرۂ... ہاں تک گمان نہ تھا ترے صبر و قرار پر (گل رعنا صفحہ ۱۱۹) [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر اس طرح ہی: برابر ہو گیا حرماں سے میرے یار کا آخر / یہ کچھ لایا ہمارے سر کے اوپر انتظار آخر [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع... دام میں سنتا ہوں گلشن کے جلانے کی خبر [8] ایضاً: بیز مذارد [9] ایضاً: کون لے صیاد، اس نسخہ میں ایک شعر فاضل ہی: آج پھرتا ہی فغاں تنہا نہ ہاں شہر میں / کیا نہیں لیتے ہیں لڑکے اس دیوانے کی خبر

نہ اشک آنکھوں میں اب رہیں گے جگر کے ٹکڑے بھی کب رہیں گے

سحر چلے گا یہ قافلہ سب فغاں دل اپنے کو تو جرس کر

شب فراق میں دیا جگر کو داغ ضرور — جہاں ہو خانۂ تاریک واں چراغ ضرور

کیا ہی قافلہ اشک کو رواں میں نے — دل غریب کا لینا مجھے سراغ ضرور

بجا ہی جوشش دل تیری چشم میگوں سے — کہ رند کوے خرابات کو ایاغ ضرور

عجب نہیں کہ نہ ہو اشک میری آنکھوں میں — مریض عشق کو ہو خشکی دماغ ضرور

تیری گلی میں رہو کیا چمن سے کیا مطلب

ترے فغاں کو تو چنداں نہ سیر باغ ضرور

کرتا ہی دمبدم میری آنکھوں میں آب گھر — تیری بلا سے گر ہو کسی کا خراب گھر

ہوتا اگر نہ خانہ خرابی میں کچھ مزا — کاہو کو بحر بیچ ڈوباتا حباب گھر

اس واسطے نہ یہاں کوئی آتا ہی خوب رو

مشہور ہی فغاں تیرا خانہ خراب گھر

(ز)

یہ امتحان نہ کر اے میرے مہربان عزیز — کوئی جہان میں تجھ سے رکھے گا جان عزیز

نہ ارتباط نہ انصاف نہ سخن شنوی — یہ کیا ستم ہو کہا بھی کسی کا مان عزیز

---

[1] ایضاً "کون" [2] ایضاً برسوں [3] ایضاً " [4] ایضاً کون [5] ایضاً "سے" [6] ایضاً "اس کی بلا سے" [7] ایضاً "کا" [8] ایضاً میرے میرے "تذکرۂ حسن مرے

[9] "تذکرہ میر حسن. جہاں میں کوئی تجھ سے رکھے گا جان عزیز؍ نسخہ خان بہادر محمد شفیع. کوئی جہاں میں رکھے ہی تجھ سے جان عزیز [10] ایضاً [11] ایضاً یہ کیا ستم ہی کسی کا کہا ہی مان عزیز

کہاں امید کہ جیتا پھرے میرا قاصد
اسے تو کب ہی میرے نامہ بر کی جان عزیز

ہی آرزوئے گریہ مجھے چشم تر ہنوز ۔ نکلا نہیں ہی قطرۂ خون جگر ہنوز
وہ کشتنی ہوں میں کہ میرا یار بعد قتل ۔ ضد سے تو کھولتا نہیں اپنی کمر ہنوز
آ خاک پہ کھپے ہی میری استخوان کو دیکھ
اس نے ہیں رہ گیا ہی فغاں کا اثر ہنوز

(س)

مرگیا سر کو پٹک کر کون گرفتار قفس[۱] ۔ کس کے لوہو سے ہی گلگوں در و دیوار قفس
جی نکل جائے میرا کشمکش دام میں کاش ۔ نہ گرفتار چمن ہوں نہ گرفتار قفس[۲]
خانہ مرغ گرفتار تو آباد ہی ۔ یا الٰہی نہ لٹا دے کوئی بازار قفس
جور صیاد سے کیا شرط وفا کی یہ ہے
پھیر آزاد نہ ہووے یہ گرفتار قفس
ناقہ لیلیٰ صدا دیتی رہی داد جرس ۔ اے دل نالاں ہوئی ضائع نہ فریاد جرس
ایک دن سونے نہ پایا دشت میں مجنوں غریب ۔ نت جگاتا ہی رہا ہو خانہ برباد جرس
اے فغاں پہنچا ہی کیا صدمہ کہ یہ خاموش ہی
اس دل نالاں کو میں سمجھوں تھا استاد جرس

(ش)

نہیں جفا سے خفا ہوں نہ میں وفا سے خوش ۔ رہی ہی یہ دل محزوں تیری رضا سے خوش[۳]

---

[۱] ایضاً مرگیا سر کو پٹک کر کے گرفتار قفس، کس کے لوہوں سے ہی گلگیں در و دیوار قفس [۲] ایضاً قفس [۳] ایضاً تیری ادا سے

(ض)

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہی اخلاص — تجھے بھی دہر میں ظالم کسو سے ہی اخلاص
خدا کے واسطے آس سے ہاتھ اٹھا ناصح — نہ میرے چاک جگر کو رفو سے ہی اخلاص
موافقت کو اے ساقی مناسبت ہی شرط — تبھی تو شیشۂ دل کو سبو سے ہی اخلاص
ہوا ہی آہ شرربار سے تیرے ثابت — فغاں تجھے تو کسی شعلہ رو سے ہی اخلاص

(ط)

خاکساری نہ میری ہو میرے اللہ غلط — نقش پا تو میں ہوا ہوں نہ کرے راہ غلط
کس[1] کی قدرت کہ جو بولے کوئی وہاں[2] حرف غرور — جانتا ہی وہ میری عجز کو[3] ہر گاہ غلط
شاہد حال ہی یہ مصرعہ امید فغاں — قطعہ — کا ہیکو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط
اول عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا — بعد آیا تو عبث فائدہ باللہ غلط
اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہی میری
کردہ ایں مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

(ظ)

تمہارے جور سے گو غیر کم ہوئے محظوظ — جو ہم سے پوچھتے ہو تم تو ہم ہوئے محظوظ
ہزار بار میری تشنگی کے کام آئے — تیری تو تیغ سے ہم دمبدم ہوئے محظوظ
ہوا ہی وا تیری شمشیر[4] سے خط تقدیر — شہید عشق تیرے یک قلم ہوئے محظوظ

---

۱ ایضاً کس کی قدرت ہی کہ وہاں بولے کوئی حرف غرور ۲ ایضاً کون ۳ ایضاً سر شمشیر سے

فغاں رضا ہی جا ہی ہر ہو جسے تسلیم
نصیب عیش ہوا یا کہ غم ہوئے محظوظ

(ع)

اشک میرے کا نہ ہووے کبھی طوفاں مانع
ہو گر یار تیرا گوشۂ داماں مانع

ہے زیارتگہِ عالم یہ میرا زخم جگر
لیک اس پردہ دری کا ہے گریباں مانع

آپ میں خانۂ زنجیر میں رکھتا ہوں قیام
میری وحشت کا ہوا کب درِ زنداں مانع

گوشۂ فقر سے جنبش نہ کروں تا دمِ مرگ
اے فغاں ہو نہ اگر گردشِ دوراں مانع

(غ)

نہ کوئی گور غریباں اوپر جلائے چراغ
جلے ہے داغ دل عاشقاں بجائے چراغ

نکل پڑا ہے میرے پیرہن سے شعلۂ دل
چھپے نہ پردۂ فانوس میں چھپائے چراغ

یہاں تلک تو جلا دل کہ لوگ کہتے ہیں
یہی ہے تاج سر شمع و نما کپلے چراغ

فغاں یہ رشک مجھے داغ کرتا ہے
کوئی نہ دل کے برابر جلاسو واسطے چراغ

ظاہر ہے میرے سر سے قدم تک اثرِ داغ
کردے نہ کہیں سرد چراغاں شررِ داغ

کچھ آج زیادہ ہے تیری گرمیِ مجلس
پہنچی ہے کسی سوختہ دل کی خبر داغ

رکھتا ہے جگر یہ کہ تیری تیغ کے آگے
ہو مرہم زنگار کا پھایا سپرِ داغ

لہ ایضاً ہوا

بے طرح ہی آتشکدۂ عشق کی سوزش — کب ہووے سمندر میرا دربان در داغ

مجھ کو تو شب و روز فغاں پوچھتے رہنا
ناسور ہوئی کیا یہ میری چشم تر داغ

(ف)

بھر رہی ہی آستیں[۱] تو ہووے داماں یکطرف — پڑ گئے ہیں[۲] چاک سینہ میں گریباں یکطرف
بزم میں اس کی برنگ صورت دیوار ہوں — آئینہ رو یکطرف یہ چشم حیراں یکطرف
دیر و کعبہ میں بھی یہی فریادی تیرے موجود ہیں — سر پٹکتا یکطرف ہندو مسلماں یکطرف

ان بلاؤں سے فغاں جانبر نظر آتا نہیں
تیغ ابرو یک طرف ہی تیر مژگاں یکطرف

پاؤں چلتے ہوئے دیکھے تو بیاباں کیطرف — ہاتھ اٹھتے نظر آئے تو گریبان کیطرف
نہ مجھے دیر سے مطلب نہ غرض کعبہ سے — میں نہ ہندو کی طرف ہوں نہ مسلماں کیطرف
کیا بہار آئی ہی گلشن میں کہ یاران عزیز — لے چلے پھر میرے یوسف تجھے زنداں کیطرف
یا الٰہی یہ جگر کس کا نشانہ ہوگا — دل کو جاتے ہوئے دیکھا صف مژگاں کیطرف

یار برباد تو دیتا ہی میرے خون کو لیک
نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

(ق)

تجھ پر دل عشاق میرے یار تصدق — یک بار تصدق نہیں سو بار تصدق

۱؎ ایضاً بھر آیا ہی آستین ۲؎ ایضاً ہو گئے ہیں

صدقے اسے ہونے دے دگر تیغ میں ہوتا ہی ابھی مرغ گرفتار تصدق
اے شوخ ترے چہرۂ گلنار کے اوپر ‏ قطعہ ‏ قربان ہی بلبل گل و گلزار تصدق
اپنے دل یوسف کو اگر جا کے دکھاؤں
ہو جاوے فغاں مصر کا بازار تصدق

ہیں بادۂ ناب کے تصدق اس عالم آب کے تصدق
کتنا ہی برشتہ یہ جگر ہی اس بوئے کباب کے تصدق
آباد ہی دل سے خانۂ عشق اس خانہ خراب کے تصدق
بے سوز نہیں فغاں رگ دل
اس تارِ رباب کے تصدق

ک

طاقت کہاں کہ جائیے قاتل کے گھر تلک لے جاوے سیل اشک مگر اس کے در تلک
خاموش ہو چلا ہی سر شام داغ دل یہ وہ نہیں چراغ کہ ٹھہرے سحر تلک
یہ زخم دل ہی چاک گریباں نہیں فغاں
اس گھاؤ کو نہ پوچھ کہ پہنچا جگر تلک

مجھ سے جدا رہیگا میرے یار کب تلک امید پر جیے یہ گرفتار کب تلک
اس کے لیے تو شربت دیدار چاہیے خون جگر پیے دل بیمار کب تلک
آتا ہے جب جلال میں وہ ترک تند خو کرتا ہوں میں فغاں کہ میرے یار کب تلک
ظالم ترے غرور کا[1] ہوتا ہے حریف ‏ قطعہ ‏ یہ عجز و انکسار تو ہر بار کب تلک
گردن کہاں تلک میں جھکائے رہوں میاں مجھ سے مڑی[2] رہیگی تری تلوار کب تلک

۱؎ ایضاً "کا" ندارد ۲؎ ایضاً پڑی رہی

طاقت تو طاق ہو گئی صبر و قرار کی
منہ دیکھتا رہی یہ گنہ گار کب تلک

گو دست رس نہیں میری دست نگار تک
پہنچوں گا پر بہ رنگ حنا پائے یار تک

دریائے عشق میں دل بسمل بہ رنگ موج
ایسے ہی دست و پا کہیں پہنچے کنار تک

اتنا تو میری خاک کو بر باد دے صبا
یہ گرد تا بلند ہو اس شہسوار تک

اس جنس کا ملے جو خریدار اے فغاں
بیچوں ہوں دل کو ایک سے لے کر ہزار تک

(ل)

خریداروں کو ہنستا ہی میرا دل
جو تو لیوے تو سستا ہی میرا دل

یہ جاناں ہیں کہ تم ہو کوہ تمکیں
ذرہ بولو ترستا ہی میرا دل

میں دیوانہ ہوں اس کی رسمی کا
صف مژگاں میں دھنستا ہی میرا دل

گرہ دے رکھ نہ ان کو کھول ظالم
ابھی زلفوں میں پھنستا ہی میرا دل

فغاں شاید چمن میں گل کھلے ہیں
کہ جوں غنچہ کھلتا ہی میرا دل

دیکھے اگر تجھے تو نہ پھر دیکھے رو کے گل
جاتی رہی دماغ سے بلبل کے بوئے گل

ہی بیم چشم بد پہ بلبل کو مثل حرز
تو اے نسیم باندھنا جا کر گلوئے گل

مرغ قفس ہوں میں مجھے سیر چمن کیا
نے اشتیاق گلشن و نے آرزوئے گل

آدے اگر وہ روئے عرق ناک باغ میں
جاتی رہی چمن سے فغاں آبروئے گل

توان بتوں سے عبث آشنا ہوا ہی دل
یہ طرح کونسی ہی تجھ کو کیا ہوا ہی دل

لہ ایضاً تجکوں

پھرے ہے لوٹتا ہر ایک نقشِ پا اوپر
کسی کے پاؤں سے شاید ملا ہوا ہے دل

ہوا ہوں تنگ گریباں کو چاک کیجے دوست
کہیں کھلے بھی بلا سے خفا ہوا ہے دل

(۴)

لے گور میں چشم تر گئے ہم
روتے روتے ہی مر گئے ہم

ہے دل میں خدا حرم میں کیا ہے
بھٹکے بھٹکے کدھر گئے ہم

شب روز کٹی تھی یار کے ساتھ
ہوتے ہی سحر کے مر گئے ہم

دیکھا نہ فغاں کیا میرا جی
اُدھر گیا ادھر گئے ہم

اپنی ہی مے سے اپنے ساغر کو بھر گئے ہم
خوننابۂ جگر کو پیتے ہی مر گئے ہم

دستِ تہی چلے پھر ہستی سے ہم عدم کو
کچھ واں نہ لے چلے ہم کچھ یہاں نہ کر گئے ہم

ساقی بجائے بادہ مینا میں اشک بھر لے
اس میکدہ سے روتے جوں ابر تر گئے ہم

دل میں کیا درد ہے واللہ اعلم
آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم[2]

---

[1] ایضاً خفا ہوا ہوں، اس نسخہ میں ایک شعر فاضل ہے: خدا کے واسطے مجھ دل جلے سے نہ مل پھیں لے گا قیامت ہوا (؟) ہوا ہے دل [2] مجموعۂ نغز صفحہ ۲۶ پر اس غزل کے مصرعے حسب ذیل ہیں:۔

رنگ کیوں زرد ہے واللہ اعلم
آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم

چشم کیوں تر ہے خدا ہی جانے
دل میں کیوں درد ہے واللہ اعلم

نسخۂ افغان بہادر محمد شفیع میں صرف حسب ذیل ایک شعر ہے:

دل میں کیوں درد ہے واللہ اعلم
آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم

چشم کیوں نم ہی خدا ہی جانے — رنگ کیوں زرد ہی واللہ اعلم

سہل جو عشق کو جانے ہی فغاں

کون سا مرد ہی واللہ اعلم

(ن)

قید سے کیوں کر رہا ہوں کہ گنہ گار ہوں میں — بال و پر گو نہیں رکھتا پہ گرفتار ہوں میں

داغ عشاق کو ہی پردہ نشینی بہتر — کیا دکھاؤں جگر اپنا کہ دل افگار ہوں میں

مت ڈبونا مجھے ظالم کہیں طغیانی میں — آہ اے اشک تیرا قافلہ سالار ہوں میں

نہ سروکار ہی بلبل کو نہ گل کو مجھ سے — گلشن دہر میں خار سر دیوار ہوں میں

سن کے اس مطلع بیتاب کو کہتا ہی فغاں — کھینچے تیغ میری جان کہ تیار ہوں میں

قتل گو کیجے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں

ہاں میاں تشنۂ آب دم تلوار ہوں میں

دیکھے خاک میں مجنوں کی اثر ہی کہ نہیں — دشت میں ناقۂ لیلیٰ کا گذر ہی کہ نہیں

وا اگر چشم نہ ہو اس کو نہ کہنا پی اشک — یہ خدا جانے صدف بیچ گہر ہی کہ نہیں

قطعہ

ایک نے مجھ کو ترے در کے اوپر دیکھ لیا — غیر اس در کے تجھے اور بھی در ہی کہ نہیں

آخر اس منزل ہستی سے سفر کرنا ہی — اے مسافر تجھے چلنے کی خبر ہی کہ نہیں

توشۂ راہ بھی ہم سفراں رکھتے ہیں

تیرے دامن میں فغاں لخت جگر ہی کہ نہیں

بارید گی کرے گر رحمت مثال باران — بخشے کبھی نہ جاویں تیرے گناہ گاران

شب گھر میں مدعی کے خورشید رو تھا روشن
افطار بھی نہ کرنے پائے یہ روزہ داران

کتنے عنان گرفتہ رہ گئے ہیں اسپ دو تھی
میدان پڑا ہے خالی مر گئے وہ شہسواران

درد دل فغاں سے آگاہ ہیں تو یہ ہیں
جلتے رہیں الٰہی دنیا میں غم گساران

مجھے دشنام تو دیتا ہے میں سن سنکے روتا ہوں
اگر تو در اگلتا ہے تو میں موتی پروتا ہوں

برنگ صورت دیوار میں ہوں کشتہ حیرت
نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں نہ ہنستا ہوں نہ روتا ہوں

میرے ہر صبح فریادی نہ ہو دیں کیونکہ ہمسایہ
جگاتا ہوں سبھی کو میں کہاں بےچین سوتا ہوں

نہیں برداشت ہرگز طبع کو باد مخالف کی
حباب آسا فغاں میں خانماں اپنا ڈبوتا ہوں

کھا پیچ و تاب مجکو ڈسیں اب یہ کالیاں
ظالم اسی لیے تیری زلفیں تھیں پالیاں

تنہا نہ در کو دیکھ کے گرتے ہیں اشک چشم
سوراخ دل میں کرتی ہیں کانوں کی بالیاں

قطعہ

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے
چلنے لگا وہ شوخ میرا تب یہ چالیاں

ہر بات بیچ روٹھنا ہر دم میں ناخوشی
ہر آن دوکھنا مجھے ہر وقت گالیاں

ایذا ہر ایک طرح سے دینی غرض مجھے
کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں

ہم نے شب فراق میں سنتا ہے اے فغاں
کیا خاک شو کے حسرتیں دل کی نکالیاں

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ڈسے" ۲ آب حیات (ص۱۱۷) "وہ" ۳ آب حیات "تین نے" ۴ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" ۵ آب حیات "مرا" ۶ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "دیکھنا" ۷ ایضاً "ہزار" ۸ آب حیات "سین" "دنیا" ۹ تذکرہ میر حسن (ص۱۳۴) "خاک ہو کے" مجموعہ نغز ع - کیا کیا نہ سے حسرتیں دل کی نکالیاں

یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل[1]
آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں ہیں کالیاں

ناحق اجاڑتا ہے میرے آشیاں کے تئیں — حاصل ہووے گی خاک مگر باغباں کے تئیں
شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند — نزدیک ہے کہ آگ لگے آسماں کے تئیں
اڑ جائے گا ہما تیرے سایہ کا[2] یہ اثر — مت پر لگا ہو تو میرے استخواں کے تئیں
لازم ہے دل جلوں کا نہ اظہار راز ہو — اے شمع قطع خوب ہے تیری زباں کے تئیں
دیکھے اگر بھویں میرے بانکے[3] کی یک نظر — رستم قسم ہے پھینک دے اپنی کماں کے تئیں

خلوت میں وہ ہو جام ہو مطرب ہو اور شراب
یہ دن خدا دکھاوے ہمارے[4] فغاں کے تئیں

گر بعد قتل لب کو سخن سے میں وا کروں — تیرے ہی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں
رخصت نہیں قفس میں پہ و بال کھولیے — کس دام میں پھنسا ہوں الٰہی میں کیا کروں[5]
کیا فخر ہے صنم تجھے پوجے ہے برہمن — میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں
ہر رات بزم وصل میں جوں شمع پر پتنگ — ہے آرزو یہی تیرے صدقے ہوا کروں
اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو — ہر صبح و شام یار کے در پر اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہے یہ ہے شرط عاشقی
میرا اگر برا ہو پر اس کا بھلا کروں

۱؎ آب حیات۔ ہیگا بہ روز وصل ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "وہ"
۳؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع تیری بانکی وہ یک نظر ۴؎ ایضاً اے یارو فغاں کے تئیں
۵؎ تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳)

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں — کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

تدبیر سے تو گذرا تقدیر اور میں ہوں
شمشیر اور قاتل تقصیر اور میں ہوں

ابرو کو چھوڑ کر دل مژگاں طرف موڑ اٹھا
بلبل ہے اور گل ہے زنجیر اور میں ہوں

دیکھیں نہ خواب راحت آنکھیں مفارقت میں
یہ دل ہے اور وحشت تعبیر اور میں ہوں

لے بلد یا چمن میں اب کی بہار آوے
بلبل ہے اور گل ہے زنجیر اور میں ہوں

مجھ روسیہ کی حالت روز جزا میں کیا ہو
تقصیر اور دل ہے تقدیر اور میں ہوں

امتحاں[۵۷] کیجے اے اہل جفا آتا ہوں
میں ترے پاس لیے اپنی وفا آتا ہوں

مت رہا جانیو مجھ کو اے غریبانِ وطن
تم چلو میں بھی کوئی دن کو چلا آتا ہوں

طائر خانہ فراموش ہے تیرے گھر کو
آشیاں جان کے اپنا میں اڑا آتا ہوں

ہو چکے غنچہ و گل آج چمن سے رخصت
میں بھی ہر ایک کو چھاتی سے لگا آتا ہوں

کیوں نہ ہو دیتے فغاں خار مغیلاں سرسبز
آج اس دشت میں میں آبلہ پا آتا ہوں

نے داد خواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں
خستہ جگر ہوں چاشنیٔ غم چشیدہ ہوں

مانند اشک پردۂ دل ہے میرا مقام
آیا ہوں راہ دور سے محنت کشیدہ ہوں

محروم رہ گیا ترے بوس و کنار سے
حسرت بھرا ہوں دست تاسف گزیدہ ہوں

ہاتھوں سے غیر کے ترے زانو پہ چوں کماں
گو سر جھکا رہا ہوں ولیکن کشیدہ ہوں

کیا خاک سبز ہو میرا داغ جگر فغاں
میں موسم خزاں میں گل نو دمیدہ ہوں

---

۵۷ یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخے کے حاشیہ پر تھی

نہ لائق قفس نہ سزاوار باغ ہوں ۔۔۔ جوں خار خشک میں سر دیوار باغ ہوں

یک دم نگاہ گرم سے دیکھا تھا گل کے تئیں ۔۔۔ اتنا ہی عندلیب گنہگار باغ ہوں

اے باغباں جلا نہ میرے آشیاں کے تئیں ۔۔۔ میں خانماں خراب گرفتار باغ ہوں

رکھتا نہیں ہوں ہاتھ میں کچھ غیر منت پہ ۔۔۔ اتنی بساط پہ میں خریدار باغ ہوں

مانند لالہ داغ ہے دل میں میرے فغاں

گو ہوں جگر جلا پہ سزاوار باغ ہوں

عاجز ہوں تیرے ہاتھ سے کیا کام کروں میں ۔۔۔ کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں

گر روز جزا داغ شب ہجر دکھاؤں! ۔۔۔ تو صبح قیامت کے تئیں[۱] شام کروں میں

تا حشر نہ کم ہووے گی ظالم تپش دل[۲] ۔۔۔ کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

جاتا ہے[۳] فغاں قافلہ ہم سفران[۴] کل

کچھ راہ کے چلنے کا سرانجام کروں میں

بچا ہے[۵] جب سے میرا گلعذار آنکھوں میں ۔۔۔ خزاں ہوئی ہے چمن کی بہار آنکھوں میں

تری گلی میں مجھے احتیاط کر[۶] یہ ضرور ۔۔۔ بجائے اشک رکھوں ہوں[۷] غبار آنکھوں میں

کبھی جو خواب سے ہو آشنا تو کور ہو چشم ۔۔۔ ہمیں کٹے ہیں[۸] یہ لیل و نہار آنکھوں میں

نگاہ یار سے ہم رہ گئے فغاں محروم!

ملا لیا نہ مجھے ایک بار آنکھوں میں

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کو" ۲ مجموعۂ نغز: تا حشر بھی کم ہوگی نہ ظالم تپش دل

۳ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "چاہتا ہے" ۴ ایضاً و مجموعہ نغز و تذکرہ ہندی "ہم نفسان"

۵ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں مطلع یہ ہے:

سبک ہوا ہے دل امیدوار آنکھوں میں ۔۔۔ غضب رچا شرہ انتظار آنکھوں میں

۶ ایضاً "نہ" ۷ ایضاً "ہوں" ندارد ۸ ایضاً "کے ہے"

نے شعلہ و نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں
میں عاشق دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں

زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک
میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

افسردہ نہ کر دل کو میرے یار کہ جوں شمع
مہمان میں تیری بزم میں تا وقت سحر ہوں

اس کوشش دل نے کشش ناز میں کھینچا
باللہ کہ میں اپنے لیے آپ خضر ہوں

مت خاک میں تو مجھ کو ملا یار کہ جوں اشک
میں دیدۂ تحقیق کا منظور نظر ہوں

پھینکے ہے فغاں مجھ پہ فلک سنگ حوادث
یہ شیشۂ دل لیکے میری جان کدھر ہوں

شمع رو خلوت میں مت جلوا پروانے کے تئیں
اے تیرے قربان میں کیا کم ہوں جل جانے کے تئیں

مے نہیں مینا نہیں ساغر نہیں ساقی نہیں
جی میں آتا ہے لگا دوں آگ میخانے کے تئیں

خاک دیتا ہے میرے سر پہ اڑانے کو سدا
کس قدر الفت ہے مجھ وحشی سے ویرانے کے تئیں

یہ نہ ہووے کشمکش سے زلف پر آوے خلل
دل الجھتا ہے ہمارا دور کر شانے کے تئیں

اے فغاں شاید کہیں ملتے نہیں دنیا میں سنگ
ہاتھ اب ملتے ہیں لڑکے دیکھ دیوانے کے تئیں

کہتا ہے یہ بہشت میں مستوں کو جا نہیں
زاہد کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں

راضی نہیں فلک کوئی خنداں ہوا یکدم
گلشن میں دیکھتا ہوں تو غنچہ بھی وا نہیں

یکدم میں دیکھ لے تیری تلوار کا غرور
رستم تجھے کہیں میرا بانکا ملا نہیں

تیرے فغاں مذاق سخن کو بھلا دہ کیا

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ۲ ایضاً "یں" ۳ ایضاً "بکتے" ۴ ایضاً "ہے" ندارد ۵ سخن شعار "کی" ۶ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بھی" ندارد ۷ ایضاً "توں" ۸ ایضاً تردار ۹ ایضاً کہیں تجھے ۱۰ ایضاً مجھ دل جلے فغاں کو مذاق سخن نہیں

سمجھے گا خاک درد سے جو آشنا نہیں

ہو کر ترے[1] قفس سے میں آزاد کیا کروں — بے بال و پر ہوں اے مرے[2] صیاد کیا کروں
نہ زندگی میں وصل میسر نہ بعد مرگ — تیرا علاج اے دل ناشاد کیا کروں[3]
اتنا بھی خوں بہا نہ کہ ہوتی نہ تیغ سرخ[4] — قربان تیرے اے مرے جلاد کیا کروں
دل کو[5] تجھ اور غیر خرابی نہیں پسند — اس خانماں خراب کو آباد کیا کروں

کہنا فغاں ہماری طرف سے ندیم کو
اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں

کٹتی ہیں یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی تڑپاں[6] — لکیریں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
ملا آتا ہے میرا خون دل اس اشک گلگوں میں — نظر کیجو تہ ہیں چنیاں یاقوت کی جڑیاں

فغاں طوق محبت کیا مبارک ہو گیا مجھ کو
گلے میں کھب رہی ہیں آہ سب زنجیر کی کڑیاں

اس تیغ کا فغاں کوئی ہو وے سپر کہاں — رکھتے ہیں دل سبھی پہ میرا سا جگر کہاں
یہ ہے غلط کہ وہ دل سنگین ہوا ہے نرم — مر گئے ہم آہ بھرتے ہی بھرتے اثر کہاں
جانا ہوئے یہ دیدۂ عشاق فرش رہ — لیکن مرے صنم کا ادھر کو گذر کہاں

مانع رہا فغاں کہ نہ آوے کوئی رقیب
پر خانماں خراب کے درباں و در کہاں

کیا تجھ سے خوش رہے دل ناشاد رفتگاں — اتنا بھی تو[7] نہیں جو کرے یاد رفتگان

۱؎ تذکرۂ ہندی "ترے" ۲؎ ایضاً "مرے" ۳؎ ایضاً نسخہ خان بہادر محمد شفیع اور گل رعنا ص۱۱۹، عاجز ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں ۴؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ ہوتا میں سرخرو" ۵؎ ایضاً "کون" ۶؎ تذکرۂ میر حسن ص۱۳۲ "نہیں تجھ یاد میں اس طرح راتیں ہجر کی ٹریاں (جو بالکل غلط ہے) ۷؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع: کہ

واماندگان راہِ عدم گوش کیجیو! | بانگ جرس نہیں یہ ہے فریادِ رفتگان
ائے سیل اشک تو تو ذرا نقش پا کو دیکھ | جاتی رہے نہ دہر سے بنیادِ رفتگان
رکھتا ہو جو سکت سو فغاں یہ غزل کہے
ہاں مرشد زمانہ واستادِ رفتگان

مبتلائے عشق کو اے ہمدمو[1] شادی کہاں | آگئے اب تو گرفتاری میں آزادی کہاں
ایک میں تو قتل سے[2] خوش ہوں ولیکن مجھ بغیر[3] | مٹ جاوے گی میرے[4] قاتل پہ جلادی کہاں
کوہ میں مسکن کبھی لیتے کبھی صحرا کے بیچ[5] | خانۂ الفت ہو ویراں ہم کو آبادی کہاں[6]
مجھ کو کہتا تھا[7] فغاں مت پھنس پھسا تو ہی ندیم | اے میرے استاد اب یہاں تیری استادی کہاں
کاش آجاوے قیامت بھی کہے[8] دیوان حشر
وہ فغاں جو ہے گریباں چاک فریادی کہاں

لے قاصد میں رو رو یار کی[9] فریاد کرتا ہوں | تیرا منہ دیکھ کر[10] اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے | مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
لب خنداں کو میرے دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے | میں ہنس ہنس غم کو گل کی روش برباد کرتا ہوں
فغاں گر داد نہیں دربار کا جا اس کے کوچہ میں
اڑا کر خاک سر پہ دل کو اپنے شاد کرتا ہوں

---

[1] مجموعۂ نغز "ہمدموں"۔ [2] آب حیات "میں"۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع: قتل سے ہوں خوش [3] آب حیات مجھ سوا [4] ایضاً مرے [5] ایضاً کوہ میں مسکن کبھی ہے اور کبھی صحرا کے بیچ [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع. مجھ کو کہتا تھا نہ پھنس پس گیا تو اے ندیم۔ اے مرے استاد اب یہ تیری استادی کہاں [7] آبحیات کاش آجاوے قیامت اور کہے دیوان حشر نسخہ خان بہادر محمد شفیع کاش آجاوے قیامت ہی کہیں دیوان حشر [8] مخزن نکات (ص۳۲) اور [9] تذکرہ میر حسن ع تیرے دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں [10] نسخہ خان بہادر محمد شفیع پڑتی ہیں۔

آہ کم ہو مجھ دل سوزاں[1] کے مرجانے سے نہیں
شمع کو آزادگی سر کے گذر جانے سے نہیں

کیا کروں پاس وفا ہی[2] ورنہ اے صیاد دیکھ
قوت بازو میری کم مشت پر جانے[3] سے نہیں

کیوں تجھ[4] نہ روتا جاؤں میں بھی سیر کو گلشن میں جو
ابر کی خوبی بغیر از چشم تر جانے سے نہیں

دیکھیو قاتل اسے مت شست و شو میں لائیو
خوں میرا ثابت ترے دامن کے بھر جانے[5] سی نہیں

تو عبث لکھتا ہی اے کاتب فغاں بیمار رہی
اس میرے دشمن کو شادی اس خبر جانے سی نہیں[6]

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

اشک غلطاں کو میرے چشم حقارت سی نہ دیکھ
تو سہی اے ابر اس قطرہ کو میں دریا کروں

اور کچھ تو فائدہ معلوم چاک جیب سے
دل تو کھل جاوے اگر بند قبا کو وا کروں[7]

نالاں رہی ہی شام سے لے تا سحر فغاں
اللہ تیری آہ کو دیوے اثر فغاں

بوئے کباب سوختہ آتی ہی خاک سے
دامن سے کیا گرا کوئی لخت جگر فغاں

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع پریاں [2] ایضاً و ب [3] ایضاً کیوں نہ روتا جاؤں میں بھی سیر کو گلشن کے جو [4] ایضاً اس نسخہ میں ایک شعر اور بھی ہی جو پڑھا نہیں جاتا [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں اس قافیہ اور ردیف میں کچھ اور اشعار ہیں،

گر بعد مرگ لب کو سخن سے میں وا کروں
تیرے بھی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں

رخصت میں قفس (؟) پر بال وا کروں
کس دام میں پھنسا ہوں الٰہی میں کیا کروں

کیا فخر ہی صنم تجھے کہتا ہی برہمن
میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں

ہر رات بزم میں چوں شمع پر تنگ (؟)
ہی آرزو یہی تیرے صدقہ ہوا کروں

کیوں کر نہ دیکھوں یار کوں ناصح خدا کے در
دل کوں مگر جلا دوں آنکھوں کو کیا کروں

اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو
ہر صبح و شام یار کے در پہ اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہی یہ ہی شرط عاشقی
میرا اگر برا ہو گا اس کا بھلا کروں

یہاں تک تو گرم ہے میرے خورشید رو کا حسن
دیکھے اگر کوئی تو پھیرے نظر فغاں!

کیوں کر پھرے وہاں سے میرا مرغ نامہ بر
جلتے ہیں اس گلی میں فرشتہ کے پر فغاں[۱]

آرام عشق میں جسے تجھے حاصل ہو سو کہاں
گر جی سکے تو جی نہیں جیتا تو مر فغاں

خط دیجو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں[۲]
لیتا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں!

باد صبا تو عقدہ کشا اس کی ہو جیو
مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں[۳]

اتنا ہجوم جوش[۴] نہیں آتا ہے اشک کا
عالم کو مت ڈبوئیو اے چشم تر کہیں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے
کیا اوڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں[۵]

تیری[۶] گلی میں خاک بھی چھانی کہ دل ملے
ایسا ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں

قطعہ

ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہیں

رونا جہاں تلک تھا میری جان رو چکا
مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں

باور[۷] اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے
آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع و آب حیات: جلتے ہیں اس گلی میں فرشتہ کے پر فغاں + کیوں کر پھرے وہاں سے تیرا نامہ بر فغاں' نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں اس غزل کا مطلع یہ ہے: بے فائدہ ہے ارز دے سیم و زر فغاں' کس زندگی کے واسطے یہ درد سر فغاں ۲؎ آبحیات "تو" ۳؎ آب حیات و تذکرہ ہندی "مجھ سا گرفتہ دل اگر آوے نظر کہیں" ۴؎ آبحیات و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "دور" ۵؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بالہ" (؟) ۶؎ آبحیات و تذکرہ ہندی "مری" ۷؎ تذکرہ ہندی "باور اگر نہیں آتا تجھے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "یارب اگر تجھے"

گل کہاں مل کہاں ایاغ کہاں — میں کہاں دل کہاں دماغ کہاں
داغ دل جل سکے تو جلنے دے — خاک عاشق پہ چراغ کہاں
چبھ گئی دل میں نوک خار قفس — میں کہاں اور سیر باغ کہاں
دل اسی جستجو میں حیراں ہے
لیجے یار کا سراغ کہاں

میں منتظر جلوۂ دیدار کھڑا ہوں — پردہ سے نکلنا پس دیوار کھڑا ہوں[1]
اے شیخ میں کس سے نہیں دیکھا ہے صنم کو — اس وقت خدائی سے بھی بیزار کھڑا ہوں[2]

قطعہ

کوچے[3] سے ترے یار میں کس پاؤں سے جاؤں — اتنی نہیں طاقت کہ میں بیمار کھڑا ہوں
رکھتا ہے مجھے یک نگہ لطف سے محروم[4]
ظالم تیرا ایسا میں گنہ گار کھڑا ہوں

میکدہ کے بیچ جو تو ڈھونڈتا ہے سو نہیں — یہاں تو ہے آہ و فغاں اے شیخ اللہ ہو نہیں
ہیں ہزاروں گل شگفتہ باغ ہے اے عندلیب — ایک میں جو غور کر دیکھا وفا کی بو نہیں
سانورا مکھڑا رسیلی نین البیلی ہے چال
ایسے پیارے پر فغاں کیوں کر دیوانہ ہو نہیں

نہ آنسو میری چشم میں کم رہی ہیں — خدا جانے کس واسطے تھم رہی ہیں!
زیارت کروں کیونکہ زخم جگر کی — بہ جائے اترتے نہیں جم رہی ہیں

---

[1] مجموعۂ نغز (ص ۲۴۸)، ع: پردے سے نکل تا پس دیوار کھڑا ہوں [2] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع: اس وقت خدا سے بھی بیزار کھڑا ہوں [3] ایضاً کوچے [4] ایضاً مقطع یہ ہے: کہتا تھا یہ قاتل کہ فغاں کے تئیں سے او! موجود ہوں حاضر ہو لے سامیرے یار کھڑا ہوں

قطعہ

بیاں جن سے کرتے تھے اندوہ دل کو — نہ وہ یار غمخوار ہمدم رہے ہیں
سفر کر گئے اہل دل اس جہاں سے
فغاں کن دلوں کے لیے ہم رہے ہیں[1]

برعکس ہی دوئی کے اگر گفتگو کریں — دل آئینہ ہی دیکھ لے کیا روبرو کریں
آلودگی سے دامن عشاق پاک ہی — یہ دلق وہ نہیں کہ جسے شست و شو کریں
ہر دم ہی کون سوزن مژگاں سے ملتجی — اس چھلنی جگر کو کہاں تک رفو کریں[2]
منظور زاہدوں کو اگر ہی نماز عشق — کہنا کہ اشک چشم سے میرے وضو کریں
کس کو فغاں دماغ کہ لیوے سراغ دل
مدت سے گم ہوا ہی کہاں جستجو کریں

(و)

ہی قبول دل ترے جور و جفا بھاری نہ ہو — پھر علاج اس کا اگر تجھ میں وفاداری نہ ہو
کھینچ رہا ہی اس لیے مجھ سے ترا دامان وصل — تا کف افسوس کو پھر شغل بے کاری نہ ہو
دیدۂ فصاد کیا یاد دے رگ مجنون عشق — نشتر مژگاں سے ڈرتا ہوں لہو جاری نہ ہو
روتے روتے لگ گئی ہی آنکھ اس بیمار کی — یا الٰہی پھر نصیب چشم بیداری نہ ہو

---

[1] اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حاشیہ پر دو شعر لکھے ہیں جو پڑھے نہیں جاتے
[2] اصلی نسخہ میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہی: اس چھن گئے جگر کو کہاں تک رفو کریں' شاید چھلنی جگر ہو مگر یہ ترکیب بھی درست نہیں۔

مرغ دل پرواز کرتا ہی فغاں پر دیکھ لے
حلقۂ زلف سیہ دام گرفتاری نہ ہو

ساغر ہو اور مینا صہبا ہو اور ہو ہو
جم جم رہی یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو
گر اس چمن کے غنچے رنگین ہوئے تو ہوویں
وہ گل مجھے سونگھا دُ جس میں وفا کی بو ہو
ناصح نہ ہو پشیماں نے پارہ ہو گریباں
گر سوزن مژہ سے چاک جگر رفو ہو
منظور عشق یہ ہی عشاق پا شکستہ
محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو
دل میں فغاں کے ہم نے عکس دوئی نہ دیکھا
آئینہ سکندر کیا اس کے روبرو ہو

یکساں نہ کیوں کہ جانوں گلخن کو اور چمن کو
میں آگ دے کے نکلا اپنے جلا وطن کو
دعوا رہا نہ باقی قاتل سے خوں بہا کا
مل مل کے خاک ہم نے میلا کیا کفن کو
بند قبائے گل اب کھلتے نہیں چمن میں
باد صبا نے دیکھا شاید ترے بدن کو
ہو کیوں نہ تلخ کامی قسمت میں کوہکن کے
میٹھا کبھی نہ پایا شیریں نے تیرے دہن کو
دامان ماہ کنعاں ہو چادر زلیخا
یعقوب کر چکا تہ یوسف کے پیرہن کو
تنہا نہ یہ سیہ روز زنجیر پا ہوئی ہی
دل طوق جانتا ہی اس زلف کی شکن کو
مجھ کو فغاں جفائے گلچیں قفس مبارک
صدقے وفائے گل کے دیکھا ہی اس چمن کو

میرے بغل میں یار میرا صبح و شام ہو
وہ دن خدا کرے کہیں یہ شب تمام ہو
تنہا نہ بزم یار میں ہوتے ہیں ہم شہید
باہر قدم رکھے تو ابھی قتل عام ہو
سامع تو گوش دل سے کہاں تک سے سنے
یک عمر چاہیے میرا قصہ تمام ہو
جاری ہیں اشک صبح سے شام تک فغاں
اس قافلہ کا دیکھیے کس جا مقام ہو

قطعہ

سن دکھ فغاں کا آہ بھی کرتا نہیں ہے تو
میری طرف نگاہ بھی کرتا نہیں ہے تو

آگے تو تیغ ناز کھینچ کے کہتا تھا مارے
ظالم کبھی گناہ بھی کرتا نہیں ہے تو

اب تو یہاں تلک ہے عداوت کہ خلق میں
رو کو میرے سیاہ بھی کرتا نہیں ہے تو

رکھتا ہے چرخ دوست میرے[1] درد آہ کو
زلف سیہ[2] سے ربط ہے بخت سیاہ کو

منظور تھا یہی کہ مروت کرے گی چشم
کیا جانتے تھے ہم تیری کافر نگاہ کو

چھوڑا نہ میں نے در کو تیرے تا دم وفات
تو نے[3] نہ آفریں کہی میری نباہ کو

اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کو کم نہ جان
مارے ہے پشم پر تیری زریں کلاہ کو

مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر
تو لے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کو

تقویت ہے داغ سے میرے دل بیمار کو
اے فلاطون[4] کیا مرض کہتے ہیں اس آزار کو

چھوڑ کر[5] مجھ کو کہاں جاتا ہے اے خانہ خراب
سونپتا ہے کیا تو پھرے سر سے در و دیوار کو

کفر سے اسلام کو[6] اے شیخ بیگانہ نہ جان
ہے تیری تسبیح سے رشتہ میرے زنار کو

نقد دل لے کر فغاں کا پھیر دیتا[7] ہے عبث
گرم کرتے ہی خریداری تیرے[8] بازار کو

۱؎ تذکرہ ہندی "مرے" ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "سے" "تذارد" ۳؎ ایضاً "تونے" ۴؎ تذکرہ میر حسن "اے فلاطون کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو" ۵؎ تذکرہ میر حسن "مرے" ۶؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کفر کو اسلام سے" ۷؎ تذکرہ ہندی (ص ۱۶۳) "چھوڑ دیا ہے" ۸؎ تذکرہ مبہندی "ترا اپنے"

مجھ[1] بے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو
اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

اس باغبان کو میری اسیری کا کیا الم
اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو

صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی
کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

قطعہ

یاراں مجھے تو خاطر صیاد ہے عزیز
کہنا نہ[2] یہ کہ صید کو آزاد کیجیو

اوڑتے رہیں قفس میں اسیروں کے منت پر
میرے لیے نہ منت صیاد کیجیو

نکلا خط ہمیں[3] پیغام کیا ہو
اب اس آغاز کا انجام کیا ہو

نہ الفت نے[4] محبت نے مروت
تیری[5] خاطر کوئی بدنام کیا ہو

قطعہ

فغاں نے عشق میں حاصل کیا[5] یہ
کوئی رسوائے خاص و عام کیا ہو

ہمیشہ ہجر میں کہتا رہا وہ
جدائی میں مجھے آرام کیا ہو

ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ
الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

کس طرح بجھے شمع سحر گاہ نہ پوچھو
احوال دل سوختہ گاں آہ نہ پوچھو

اے ہم سفراں منزل ہستی سے عدم تک
خاموش چلے جاؤ یہاں راہ نہ پوچھو

ممکن نہیں بے شکوہ اغیار رہوں میں
تم خواہ یہ مذکور کرو خواہ نہ پوچھو

راز دل بسمل کوئی نکلے ہے زباں سے
واللہ نہیں کہنے کا باللہ نہ پوچھو

تقریر میں آتا نہیں احوال فغاں کا
پُر درد ہے یہ قصۂ جاں کاہ نہ پوچھو

لہ نسخہ خان بہادر محمد شفیع - اب رفتہ رفتہ دل کو ۔ ۲ہ ایضاً "نہ" ندارد اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے:-
کہنا دل فغاں کی طرف سے جرس کے تیئں، محمل اگر ملے کہیں فریاد کیجیو۔ ۳ہ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہم نے" ۴ہ تذکرہ میر حسن و نسخہ خان بہادر محمد شفیع "نہ" "نہ"۔ ۵ہ تذکرہ میر حسن "تری" ۶ہ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہی"

عجب سودا[۵۷] بنا یہ حسن بازاری مبارک ہو — زلیخا تجھ کو یوسف کی خریداری مبارک ہو

صبا میری طرف سے بلبل آزاد کو کہنا — تجھے آزادگی مجھ کو گرفتاری مبارک ہو

مے گلگوں ہو ساقی ہو فغاں ہو جام و مینا ہو
بہار آئی ہی میخواروں کو میخواری مبارک ہو

اے داد خواہ عاشق مت چاہ خونبہا کو — بسمل سمجھ چکا ہی قاتل کے مدعا کو

تیری گلی میں ظالم مانند نقش پا ہوں — کیوں کر کوئی اٹھادے مجھ سے شکستہ پا کو

قطرات اشک میرے باراں سے کم نہیں ہیں — کرتے ہیں سبز مجھ سے بے برگ و بینوا کو

ساقی پہ شیخ شتابی رو رو کے میکشاں نے — خالی کیا ہی اپنے جام جہاں نما کو

پی کر شراب وحدت ہم مست ہو رہے ہیں — مارے ہیں اب کدو پہ اس شیخ پارسا کو

بے بس ہیں کیا کریں ہم کچھ بس نہیں ہمارا
رخصت ہوئے فغاں ہم سونپا اسے خدا کو

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو — اے دل خدا کرے تیرا[۵۸] خانہ خراب ہو

آخر کو تو بجھا میرے قاتل یہ تشنگی — وہ تیغ نے زیادہ ذرہ جس میں آب ہو

کھولوں گر اپنے دفتر[۵۹] دل کو میں روز حشر — غیر از تری جفا نہ کسی کا حساب ہو

جم جم پلادے[۶۰] روز تجھے دوست جام مے
تو مست رہ فغاں تیرا[۶۱] دشمن کباب ہو

---

۵۷ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بنا ہو" ۵۸ مجموعۂ نغز (ص ۲۴۷)، تذکرہ ہندی (ص ۱۶۳)، و سخن شعراء (ص ۳۶۹)، ترا نسخہ خان بہادر محمد شفیع اے دل ترا خدا کرے خانہ خراب ہو ۵۹ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کھولوں اگر اپنے دفتر غم کون کو میں حشر میں + غیر از جفا تیرا نہ کسی کا حساب ہو" ۶۰ ایضاً جم جم پلا دے دوست تجھے روز جام مے" مجموعۂ نغز: جم جم پلائے دوست تجھے جام مے مدام تذکرہ ہندی پلائے ۶۱ مجموعۂ نغز: تیرا نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر زائد ہے:

فرقت ہو دور وصل صنم کا شتاب ہو
ظاہر جو دیکھتا ہوں الٰہی یہ خواب ہو

بٹھا گیا ہی کہاں یار بے وفا مجھ کو
کوئی اٹھا نہ سکا مثل نقش پا مجھ کو
کبھی مقیم حرم ہی کبھی ہی ساکن دیر
گیا خراب میرے دل نے جا بجا مجھ کو
برنگ غنچہ نشگفتہ ہوں دل افسردہ
ہوا نہ چاک گریباں کیا نہ وا مجھ کو
کلاہ فقر میرے سر پہ تاج شاہی ہے
نہیں قبول فغاں سایۂ ہما مجھ کو

بدلہ میری وفا کا اگر تم جفا کرو
مجھ خانماں خراب کو مت آشنا کرو
جانا کہ تم نے زہد سے حق کو کیا ہی رام
تب جانوں زاہد میرے بت کو خدا کرو
اس کے سگان کو سے کوئی پر چھیو ذرہ
تم استخوان فغاں کی جو پاؤ تو کیا کرو

مجھ سے جدا ہوا تیرے باعث وہ ماہ رو
صبح مفارقت تیرا ہووے سیاہ رو
حیرت برنگ آئینہ مجھ کو ہوئی نصیب
پایا تیری بزم میں اے بادشاہ رو
تشہیر ہو چکا اے تعذیر کیجیے
رکھتا نہیں ہی خلق میں یہ رو سیاہ رو
کس طرح سے چھپاؤں فغاں رنگ زرد کو
ہی اس دل ملول کا میرے گواہ رو

مقتول تیغ ناز کو بسمل کہا کرو
میں دل تو دے چکا مجھے بیدل کہا کرو
کیا پوچھتے ہو خانۂ عشاق کا نشان
جس جا پہ گر رہو اسے منزل کہا کرو
استادہ ہو جہاں صف عشاق بہر قتل
مجھ کو بھی اس قطار کے شامل کہا کرو
رسوائے خاص و عام میں اے ننگ و نام
یہ مت کہا کرو جسے تم دل کہا کرو

بسمل کا جی کہیں عوض خوں بہا نہ ہو
انصاف چاہتا ہی کہ یہ حق ادا نہ ہو
نفرین خلق و طعن عزیزان جفائے غیر
سب کچھ مجھے قبول ہی پر تو جدا نہ ہو

بیجا ہی شست دشنہ کوئی چھوٹے ہی ہاتھ سے / قاتل ہمارا خون ہی رنگ خانہ ہو
ہی عندلیب رشک محبت سے یہ بعید / کھولے نسیم عقدہ گل تجھ سے وا نہ ہو
خالق ہوا ہی غنچہ رگ مخلوق کے قریب / ہی شرط بندگی کوئی بندہ خدا نہ ہو
سچ ہی فغاں کہ آتش الفت سے الاماں / اس آگ سے کسی کا کلیجا جلا نہ ہو

(ہ)

ہوا تھا شب کو کس سے ہم سخن وہ دلستاں سچ کہہ / ابھی اے شمع جلنے سے رہی تیری زباں سچ کہہ
پڑا پھرتا ہوں صحرا میں لٹا کر خانماں اپنا / کوئی مجھ سا بھی گردش پیچ ہی[۱] اے آسماں سچ کہہ
طبیب اب تو دوا دیتا ہی[۲] مجھ کو کس توقع پر / بھلا کیا پھر[۳] توانا ہوگا مجھ سا[۴] ناتواں سچ کہہ
میرے[۵] سب موئے تن لرزش میں ہیں[۶] دیکھ اس سچ کو / کمر باندھی ہی کس کے قتل پہ اے بدگماں سچ کہہ
گلے میں ڈال کر زنار بت[۷] خانہ میں بیٹھا ہی
تو کس کافر کا بندہ ہو گیا ہی اے فغاں سچ کہہ

میکشاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہاں ہی[۸] شیشہ / دل تو اس وقت ہیں ارزاں ہی گراں ہی[۹] شیشہ
لذت درد جیا دے کوئی ہمدرد بغیر / دل کو لگتی ہی وہاں ٹھیس جہاں ہی شیشہ
دل مرا سنگ حوادث سے نہ ٹوٹا ہرگز / اس طرح کا کوئی لائے شیشہ گراں ہی شیشہ

قطعہ

یار غافل نہ پھرا کر تو میرے مشہد پہ / جان میری دل پر درد فغاں سے شیشہ

---

[۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع گردش پیچ آیا آسمان [۲] ایضاً ہی ندارد [۳] ایضاً پھر ندارد [۴] ایضاً میرا [۵] ایضاً میرے سب موئے لرزش ہی اے دیکھ (جو غلط ہی) [۶] ایضاً بت خانہ بیٹھا ہی [۷] ایضاً کہاں ہی [۸] ایضاً کہیں

فکر یہ ہے کہ نہ پہنچے کہیں ایذا تجھ کو[1]
مت قدم خاک پہ رکھنا کہ یہاں ہے شیشہ

ہے شرر افشاں نہ تنہا یہ زباں سوختہ — عاشق دل سوختہ رکھتا ہے جان سوختہ
نے ہما مائل نہ ہے راغب سگ کوئے نگار — ہو گئی ہیں تو تیا یہ استخوان سوختہ
بسکہ ہے مثل سمندر ساکن آتشکدہ — یہ دل افروختہ ہے دودمان سوختہ

اے دل خیال عشق کو کم رکھ سمجھ سمجھ — تو راہ عاشقی میں قدم رکھ سمجھ سمجھ
بسمل تیری تڑپھ تیرے قاتل کا شغل ہے — لب پر تو جی کے تئیں کوئی دم رکھ سمجھ سمجھ
دل کو نہ کر خراب کہ ہے سجدہ گاہ عشق — اس خانہ خدا کو صنم رکھ سمجھ سمجھ
بریاں کیا ہے آتش دل نے جگر کے تئیں — رو رو کے چشم آپ کو نم رکھ سمجھ سمجھ
تیرا فغاں تو قابل جور و جفا نہیں
اس پر روا نہ ظلم و ستم رکھ سمجھ سمجھ

ڈرتا ہوں یہ کہیں دل بسمل تڑپھ تڑپھ — رنگین کرے نہ دامن قاتل تڑپھ تڑپھ
گو ہے شکستہ پر یہ میرا مرغ نامہ بر — پہنچے گا اوڑ کے تا سر منزل تڑپھ تڑپھ
افسوس او ستم! قفس سینہ تنگ ہے — کیا کیا ستم کرے گا فغاں دل تڑپھ تڑپھ

ہو گئی الفت دل وحشی کو دیوانے کے ساتھ[2] — ایک بھی لڑکا نہیں ہے آج دیوانے کے ساتھ
مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ[3] — روح دیوانہ کی جل جاوےگی پروانے کے ساتھ[4]

۱؎ ایضاً غم تو یہ ہے ۲؎ ایضاً مجنون ۳؎ تذکرہ میر حسن (ص ۱۲۷) "روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ" نسخہ خان بہادر محمود شیرانی ۴؎ ـ روح نکل جاوے گی دیوانے کی پروانہ کے ساتھ

کیا مزہ دیوے[۱] فغاں کو زندگی ساقی بغیر | اڑ گئے وہ عیش وہ آرام میخانے کے ساتھ

چشم الطاف تو رکھتا ہے صنم ناز بھی ساتھ | کچھ تو آنکھوں کی اشارت ہے کچھ انداز بھی ساتھ

یہ دل سرد کہاں زمزمۂ درد کہاں | تو بھی قائم رہے بلبل تری آواز بھی ساتھ

ہے خط سبز بتاں حاشیۂ مصحف حسن | یار انجام تو رکھتا ہے پہ آغاز بھی ساتھ

مت رہا کیجیو صیاد قفس سے مجھ کو | کشش دام نے توڑے پر پرواز بھی ساتھ

کیا خلل لطف شہادت میں فغاں ہوتا ہے
یار آتا ہے مرے قتل کو غماز بھی ساتھ

بک گیا اب تو یہ دل قاتل خونخوار کے ہاتھ | بندھ گئے رشتۂ الفت سے گنہ گار کے ہاتھ

دست بردار نہیں خون شہیداں سے ہنوز | کب ہوئے سرخ حنا سے مرے دلدار کے ہاتھ

تیغ بیداد کو یا ہے سر شوریدۂ عشق! | ہم نے خالی نہ کبھی پائے ستمگار کے ہاتھ

مانع نبض شناساں بخار تپ عشق! | دست نباض ہے عاجز ترے بیمار کے ہاتھ

بخیہ چاک جگر کو تو فغاں کھوتے ہے
یہ نیا شغل لگا اس ترے بیکار کے ہاتھ

(ی)

عاشق ہوں مجھے تجھ سے سروکار ہوا ہے | یہ بات فغاں کہہ کے گنہ گار ہوا ہے

تو کافر بد کیش ہے وہ ظالم بے رحم | ہونی ہو سو ہو اب تو مرا یار ہوا ہے

مشکل ہے ترے حلقۂ گیسو سے نکلنا | یہ طوق محبت تو گلے ہار ہوا ہے

۱ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع کیا مزا دیتا ہے مجکو زندگی ساقی بغیر (جو غلط ہے)

سر دے کے عشق میں جاتا ہی عدم کو　　سنتا ہی مسافر تو سبک بار ہوا ہی
ظاہر ہی فغاں جامۂ رنگین سے اس کے
قاتل کو میرا خون سزاوار ہوا ہی

یار اگر جفا کرے چاہیے دل وفا کرے　　یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے
یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی　　جیب و کنار تر رہی خون جگر بہا کرے
جو کوئی عشق باز ہو چاہیے وہ گداز ہو　　شعلۂ دل فراز ہو شمع صفت جلا کرے
کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو　　کاش یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے
تو تو فغاں ہی پیر دیر پاتے ہیں تجھ سے لطف سیر
کون جیے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

سینۂ عشاق سپر چاہیے　　دل کے لگانے کو جگر چاہیے
پاس رہا کیا جسے برباد دوں　　خانہ خرابی کو بھی گھر چاہیے
مرغ قفس کو نہ ہوائے چمن　　کب میری پرواز کو پر چاہیے
آتش دل نے تو جلایا جگر　　اب مدد دیدۂ تر چاہیے
دل کو تو مدت سے فغاں دے چکا
جان بھی حاضر ہی اگر چاہیے

مبتلائے عشق کو آسودگی نایاب ہی　　فرش مخمل کو میسر ہو پہ یہ بے خواب ہی
کیا کہوں جوں شمع روشن ہی میرا سوز و گداز　　دل میں کیا ہی آگ ہی آنکھوں میں کیا ہی آب ہی
کیوں نہیں رنگتا مرے لوہو سے تو جامے کے تئیں　　خون قربانی سے رنگین دامن قصاب ہی
کیا چھپاؤں میں نہیں چھپتی ضیائے سوز عشق　　پردۂ داغ جگر کیا چادر مہتاب ہی
ننگ استغنا ہی ہوں منت کش ساقی اگر　　شیشۂ دل میں طلب بادۂ خوناب ہی
خانۂ دل میں نہ دو روشن دلاں کینہ کو جا　　زنگ آئینہ میں جب آیا صفا نایاب ہی

اے فغاں تشبیہ دوں کس سے دل بیتاب کو
ماہی بے آب ہی یا پارۂ سیماب ہی

بسکہ دیدار تیرا جلوۂ قدوسی ہی
دامن وصل بھی آلودۂ مایوسی ہی

ہی کہاں بوئے وفا اس دہن شیریں میں
غنچہ لب تیری زباں ہم نے بہت چوسی ہی

یار کو خون میرا مثل حنا ہو پامال
لیکن اپنے تئیں منظور قدم بوسی ہی

دل میرا خاک شگفتہ ہو چمن میں جاکر
گل میں یہ رنگ کہاں ایک تیری بوسی ہی

ایک دن زلف کے منہ پر نہ چھڑے یہ کافر
یاد کاکل کو فقط شیوۂ جاسوسی ہی

وہ بھی تیغ کہ یک دم میں کرے لاکھ کو قتل
کون کہتا ہی میاں تیری کمر موسی ہی

شیخ روتا ہی اسے سن کے برہمن یک سو
پر اثر بسکہ میرا نالۂ ناقوسی ہی

چشم نمناک نے از بسکہ بجھایا اس کو
آتش عشق کہاں دل میں مگر لوسی ہی

اے فغاں عشق کہاں دل میں بقول منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خوسی ہی

اتنی ہی آہ و زاری کرتے اگر رہیں گے
جیتے کہاں بچیں گے آخر کو مر رہیں گے

اب آہ و اشک میرے ہمقافلہ ہوئے ہیں
کس سرزمیں میں تھک کر یہ ہمسفر رہیں گے

مرغ چمن مریں گے سر کو پٹک پٹک کے
کیونکر قفس میں جیتے بے بال و پر رہیں گے

میں چھوڑ دوں گا آخر اپنا فغاں تخلص
ایسی ہی گر جہاں میں بیداد گر رہیں گے

اے دل پناہ سایۂ داغ جگر نہ لے
مرنے اگر چلا ہی تو منہ پر سپر نہ لے

مجھ سے بہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک
لخت جگر کو گود میں جب تک کہ پھر نہ لے

عاشق کہا کرے کہ فدا جی تلک ہوں لیک
کب اس کو اعتبار ہی جب تک کہ مر نہ لے

پاکیزہ تر ہی جامۂ عریاں تنی فغاں

جانے ہی بار دوش تو رخت سفر نہ لے

نہ ان ظالموں میں عدالت رہی ہی — نہ فریاد کی مجھ کو طاقت رہی ہی
لٹایا اسے کس روش مے کشاں نے — کہاں دختر رز کی حرمت رہی ہی
فغاں میرے اسباب میں کیا رہا ہی — مگر یہ کہ دل میں قناعت رہی ہی

عاشق تیرے کو آرزوے زخم پھر ہے — اب تک بچے ہی جان کے دینے میں دیر ہی
شاہ و گدا کی صورت اصلی میں فرق نہیں — وہ انچ پر زبر یہ تنزل میں زیر ہی
اے شوخ دو رزخم کو عاشق کے کم نہ جان — چاک جگر میرا ترے دامن کا گھیر ہی
کب میل رنگ پان ہی فغاں اس عقیق کو
پی پی کے خون دل کو میرا لال سیر ہی
کیا آئینہ کی حاجت یہ چشم روبرو ہی — تیری نظر میں میں ہوں میری نظر میں تو ہی
مثل کباب جل گئے پر ایک دن نہ پوچھا — یہ کون ہی برشتہ کس کے جگر کی بو ہی
مستاں کدو دکھا کر تجھ کو پڑا چکے ہیں — اے شیخ پاک دامن کیسا ترا وضو ہی
احوال کچھ نہ پوچھو اے ہمدماں فغاں کا
دل ہی سو ٹکڑے ٹکڑے سینہ ہی سو رفو ہی
کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی — اے عندلیب تو نہ قفس[1] بیچ مر گئی
شکوہ[2] کرے ہی کیوں تو میرے اشک سرخ کا — تیری کب[3] آستین میرے لوہو سے بھر گئی

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "چمن" [2] آب حیات' نکات الشعرا' مخزن نکات اور مجموعہ نغز میں یہ مصرعہ اس طرح ہی: شکوہ تو کیوں کرے ہی مرے اشک سرخ کا' گلشن ہند (صہ ۱۳۳) اور گلشن بے خار میں اس طرح ہی ع شکوہ کرے ہی تو جو مرے اشک سرخ کا بنسخہ خان بہادر محمد شفیع ع. شکوہ تو کیوں نہ کرے ہی میرے اشک سرخ کا [3] کب آستین تیری میرے لوہوں (لوہوں) سے بھر گئی [3] نکات الشعرا ع. کب آستیں تیری مرے لوہو سے بھر گئی

قطعہ

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں[1] کہوں
انصاف کو نہ چھوڑ مروت[2] اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئی[3] تپاک وہ الفت کدھر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے[4]
یوں بھی گذر گئی مری[5] دوں بھی گذر گئی[6]

نہ مجھ سے پوچھ تیرے دل پہ کیا گذرتی ہے
خدا ہی جانے کہ بسمل پہ کیا گذرتی ہے

اٹھوں نہ روز جزا میں اڑے یہ قوت سمع
نہ میں سنوں مرے قاتل پہ کیا گذرتی ہے

پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں
مسافرو کہو منزل پہ کیا گذرتی ہے

بھولیں خدا کو اپنے مخطوظ ہوں صنم سے
آئے تھے کیا جہاں میں ہم اس لئے عدم سے

مژگاں ہے تیر و خنجر ابرو ہے تیغ برّاں
کس کس کے سامنے ہوں میں ایک اپنے دم سے

کیفیت زمانہ آخر خمار کش ہے
سیراب ہو چکی ہے یہ چشم جام جم سے

تقدیر کا لکھا بھی تبدیل ہو گیا ہے
کیا سرنوشت میری مفقود ہے قلم سے

تجھ سے فغاں کہوں کیا اس شوخ کی گلی میں
کتنے غریب بیکس مارے پڑے ہیں ہم سے

ممنون رکھئے مجھے تیرا احسان دیکھئے
تیرا رہوں مدام ثنا خوان دیکھئے

۱؎ گلشن بیخار (ص ۲۲۱) "یہ" ۲؎ گلشن بے خار "محبت" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "موت گذر گئی" جو غلط ہے
۳؎ مجموعہ نغز: "ہوئے تپاک" گل رعنا "ہوا تپاک" نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع - وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت گذر گئی (جو غلط ہے) ۴؎ تذکرہ میر حسن: ح - مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے، گل رعنا ح - مجھ سے جو پوچھے تو بہر حال ہے[illegible] ۵؎ آب حیات و گل رعنا "مری" ۶؎ اس غزل کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پر کوئی اور غزل بھی ہوئی ہے جو پوری پڑھی نہیں جاتی۔

بند قبا کو کھول کے چھاتی سے لگ گئے — ہر آن میں رہی یہ تیری آن دیکھئے
لوٹوں ترے قدم پہ یہاں تک کہ خاک ہوں — نکلے گا میرے دل کا یہ ارمان دیکھئے
آغاز تو یہ ہی کہ جو میں نے بیان کیا — انجام کار اے شہ خوبان دیکھئے
کیا لاؤگے[1] فغاں کے سر او پر خرابیاں
اب دل تو لے چلے ہو میری جان دیکھئے

روز و شب روتے ہی گذرے ہے یہ حال اپنا ہی — خواب میں بھی نظر آوے سو خیال اپنا ہی
مر گئے کنج قفس میں پہ کبھی اے صیاد — نہ کہا تو نے کہ یہ بے پر و بال اپنا ہی
پوچھ مت اس دل بیمار کی تاریخ وفات — ملتے ہی مر گئے وہ روز وصال اپنا ہی
کیوں کریں غیر کے مضموں کو فغاں ہم موزوں
تازگی ہووے سخن میں یہ کمال اپنا ہی

سہ گیا سنگ جفا سر پہ یہ کیا شیشہ ہی — دیکھیو دل کو میرے سنگ ہی یا شیشہ ہی
کچھ نہ معلوم تھا آلودۂ خوں تھا جب تک — صاف کر دل کو جو دیکھا تو نرا شیشہ ہی
یہاں نظر آتی ہی محراب ترے ابرو کی — دل عشاق عجب قبلہ نما شیشہ ہی
مل گیا سنگ دلاں سے پہ نہ ٹوٹا ہرگز — یہ دل سنگ صفت سخت بلا شیشہ ہی
یہ دل سوختہ رکھتا نہیں کچھ کیفیت
توڑ بھی ڈال فغاں یہ تو جلا شیشہ ہی

دکھلا دئے ہیں زور مرے[2] اضطراب کے — بندہ[3] ہیں ہم تو اس دل خانہ خراب کے
ساقی ذرہ تو جنبش مژگاں سی در گذر — لبریز ہو رہی ہیں پیالے شراب کے

۱ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا لیا دگی" ۲ے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مرے" ۳ے ایضاً بندے ہیں
۴ے ایضاً لبریز ہو رہے ہیں یہ

اتنا بھی موئے سر کو پریشاں نہ کر صبا
پالے ہوئے ہیں یہ کسی خانہ خراب کے

وا ہوا اگر کبھی میرا محبوب مجھ سیتی!
اٹھ جائیں درمیان سے پردے حجاب کے

پھوٹے ہیں جس مزے سے فغاں دل کے آبلے[۵۱]
کانٹے[۵۲] نہ ایسے پھوٹے دیکھے حباب کے

اے دیدۂ تر گوشۂ داماں کو بھر بھی[۵۳]
آنسو تو نکلتے ہیں کبھی لخت جگر بھی

ہے دور میرا یار کہاں داد کو پہنچے[۵۴]
فریاد کا کیا ذکر ہے تھکتی ہے نظر بھی

اس خاک کو لے جا کے اڑا صحن چمن میں
اے باد صبا خاک شہیداں[۵۵] سے گزر بھی

رہنا قفس میں مرغ چمن ناگزیر ہے
نے ہم نوا یہاں نہ وہاں ہم صفیر ہے

ابتر ہوا ہے صحبت مردم میں طفل اشک
جاتا رہے نہ گھر سے یہ لڑکا شریر ہے

ٹک بھوں چڑھا کے جس پہ نظر کی وہ مر گیا
ابرو تو ہے کماں تیری مژگاں بھی تیر ہے

منظور تھا کسی[۵۶] کے گرفتار ہو فغاں!
اس دل کو کیا کروں کہ یہ الفت پذیر ہے

اس کاکل مشکیں میں یہ غمازہ جو چھپا ہے
غمازۂ دل شیفتہ ما در بغلا ہے

قصر دل عشاق کبھی گرم کبھی سرد
یہ بام تو ہے ایک پہ اس میں دو ہوا ہے

امید ثمر اس شجر خشک سے مت رکھ
نخل دل عاشق نہ ہرا ہے نہ بھرا ہے

درد دل عشاق مداوا اسے نہ جاوے
خاک در معشوق اسے خاک شفا ہے

---

۵۱ ایضاً "ابلہ" ۵۲ ایضاً "کانٹے" ۵۳ ایضاً اے دیدۂ تر اس میرے داماں کو بھر بھی ۵۴ ایضاً "پہنچوں" ۵۵ ایضاً اے بادِ صبا میرے مشہد پہ گزر بھی۔ اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے جو صحیح طور پہ پڑھا نہیں جاتا:

دیکھیں سے کوچے میں ہمیں چھوڑا کوئی ذرہ بھی
اے ہم سفراں کچھ میرے قاصد کی خبر بھی

۵۶ اصل دیوان میں "کہ"

جاتی رہی یکبار ترے دل کی بشاشت
غمگین نظر آتا ہے فغاں خیر ہے کیا ہے

میں کہہ چکا فسانۂ غم رات جا چکی — اب بولنے کی بات نہیں بات جا چکی
حیرت میں ہوں وہ کیوں کہ مرے دل کو لے گیا — دنیا سے دلبری و مدارات جا چکی
پینا پڑا ہے خونِ جگر کو بجائے مے — برہم ہوئی وہ بزمِ خرابات جا چکی
روزِ وصال ہم کو میسر کہاں فغاں
دن کاٹنے پڑے ہیں وہ اوقات جا چکی

ڈرتا ہوں محبت میں مرا[1] نام نہ ہووے[2] — دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے
شمشیر کوئی تیز سی لینا مرے[3] قاتل — ایسی نہ لگانا[4] کہ مرا[5] کام نہ ہووے
گر صبح کو میں چاک گریباں دکھاؤں — اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے
آتا ہے مری[6] خاک پہ ہمراہ رقیباں — یعنی مجھے[8] تربت میں بھی آرام نہ ہووے
جی دیتا ہے بوسہ کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھ لے[9] سودا یہ ترا خام نہ ہووے

عبث عبث تجھے مجھ سے حجاب آتا ہے — ترے لیے کوئی خانہ خراب آتا ہے
پلک کے مارتے ہستی تمام ہوتی ہے — عبث کو بحرِ عدم سے حباب آتا ہے
خدا ہی جانے جلایا ہے کس ستمگر نے — جگر تو چشم سے ہو کر کباب آتا ہے
شبِ فراق میں اکثر میں لے کے آئینہ — قطعہ — یہ دیکھتا ہوں کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے[10]

---

[1] تذکرہ ہندی "مرا" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ردیف "ہوئے" ہے جو غلط ہے [3] تذکرہ ہندی "مرے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "لینا ہی میرے قاتل" جو غلط ہے [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ایسی نہ لگالے" [5] تذکرہ ہندی "مرا" [6] ایضاً "مری" [7] ایضاً "اے" [8] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "یعنی اسے تربت میں بھی" [9] نسخہ تذکرہ ہندی "ٹک دیکھیو سودا" [10] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "خواب آیا ہے" اس نسخہ میں مطلع کی ردیف تو "آتا ہے" مگر پھر ساری ردیفیں "آیا ہے" ہیں۔

نظر کروں ہوں تو یہاں خواب کا خیال نہیں[۱]
گرے ہے لخت جگر یاکہ آب آتا ہے

محراب کعبہ پاوے ایسے کہاں نمازی
ابرو کی یہ بلندی مژگاں کی یہ درازی

ہیہات دیکھی نہ ہوویں یہ کشتۂ محبت
گر مر گئے شہادت جیتے رہے تو غازی

ناحق ہوئے مخالف بیگانہ و یگانہ
بے چارہ دل کرے اب کس کس کی چارہ سازی

ان عاشقوں کے جی کو آخر نیاز لے گی
اے میرے ناز پرور یہ تیری بے نیازی

جیتے گا کیا فغاں تو دل کو لگا کے دیکھا
جی ہار دے گی آخر تیری یہ عشق بازی

ملا ہے[۲] خاک میں تن دل کی آرزو نہ گئی
عجب یہ گل ہے کہ مرجھا گیا پہ بو نہ گئی

یہ خاک وہ ہے تیمم کرے ملک جس پہ[۳]
میرے[۴] مزار پہ شبنم بھی بے وضو نہ گئی

اگرچہ چشم نے رو رو کے راز فاش کیا
ہزار شکر کہ عاشق کی آبرو نہ گئی

غبار خاطر معشوق کب ہے کشتۂ ناز
فغاں کی خاک کو لے کر نسیم تو نہ گئی

حیف دل میں تیرے دفا نہ ہوئی
کیوں تیری چشم میں حیا[۵] نہ ہوئی

یار نے نامہ بر سے خط نہ لیا
میری خاطر عزیز کیا نہ ہوئی

رہ گیا دور تیرے کوچے[۶] سے
خاک بھی میری پیش پا نہ ہوئی

کٹ گئی عمر میری[۷] غفلت میں
کچھ تیری[۸] بندگی ادا نہ ہوئی

---

۱ ایضاً نظر کروں تو یہاں خواب خیال نہیں۔ گریں لخت جگر یاکہ خواب آیا ہے، اس میں یہ شعر فاضل ہے:

دل فغاں کچھ کیوں کر نہ اضطراب کرے
نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آتا ہے

۲ مجموعۂ نغز "بھی" ۳ ایضاً جس سے ۴ ایضاً مرے ۵ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "وفا" ۶ ایضاً قدموں سے ۷ تذکرہ میر حسن ع۔ کٹ گئی ساری عمر غفلت میں ۸ ایضاً تری و نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "میری"

دود دل تیری زلف تک پہنچے آہ یہاں تک میری رسا نہ ہوئی

چشم خونخوار سے فغاں دیکھا
دل بیمار کو شفا نہ ہوئی

کیا کیا ستم کرے گی غضب آنکھ لگ گئی جو ہوئی ہو سو ہو میری اب آنکھ لگ گئی
شاید ہیں میرے گوشۂ داماں و آستیں آنسو کہاں تھمیں میری کب آنکھ لگ گئی
ہے کیا غلط نہ خواب میں آوے تیرا خیال تو ہی نظر پڑا میری جب آنکھ لگ گئی

صبح وخیال شام غریباں ہوئی فغاں!
صبح وصال شام غریباں ہوئی فغاں!
جاگے بہت پہ آخر شب آنکھ لگ گئی

شانہ کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹتے[1] یک عمر چاہیے تیری زلفوں سے چھوٹتے
دریا میں نت حباب کی دیکھی تنک بگی اس دل کے آبلے کبھی دیکھے نہ پھوٹتے
پاتے قفس سے رخصت پرواز ہم اگر کیسا چمن میں جا کے زر گل کو لوٹتے

شبہائے ہجر ہم پہ فغاں یوں گذر گئیں
سر کو تو پیٹتے رہے چھاتی کو کوٹتے

فغاں ہم نے سنا ہے یوں کہیں مائل تیرا دل ہے خدا آساں کرے بندہ محبت سخت مشکل ہے
چلا جاتا ہے ہر دم کاروان عمر ہستی ہے نہیں معلوم اب تک دور یا نزدیک منزل ہے
سر انگشت سے قطرات خوں اب تک ٹپکتے ہیں کف پا پر تیری رنگ حنا یا خون بسمل ہے
یہاں تک گردش طالع نے آئی آزمائش ہیں خط تقدیر بھی میری جبیں پر نقش باطل ہے

فغاں میں لے رہوں گا عاقبت تا دان گریباں کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تو" ندارد [2] ایضاً "کون"

صف محشر ہی میں ہوں اور یہ دامان قاتل ہے

شب فراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہے
یہ صبح وصل بھی آنسو سے مونہہ دھلاتی ہے

بجاؤں کیونکہ بھلا آہ گرم کے صدقے
کہ زخم دل کو میرے سیک سیک آتی ہے

کرے ہے تلخ میری زندگی کو جنبیا ری
رہی یہ لذت غفلت جو کہ جلاتی ہے

نگر چمن میں فغاں گل کھلے کہ باد صبا
کھڑی کھڑی میری زنجیر کو ہلاتی ہے

ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلانہ دے
یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجھ کو دعا نہ دے

ناصح تو چاک دل کو کہاں تک رفو کرے
اے دست کاشکہ تجھے ناخن خدا نہ دے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہاں فغاں
الفت بڑی بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

عکس بھی کب شب ہجراں کا تماشائی ہے
ایک میں آپ ہوں یا گوشہ تنہائی ہے

دل تو رکتا ہے اگر بند قبا باز نہ ہو
چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہے

طاقت ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہے
آہ سینہ سے نکل لب پہ میرے آئی ہے

میں تو وہ ہوں کہ میرے لاکھ خریدار ہیں اب
لیک اس دل سے دھڑکتا ہوں کہ سودائی ہے

۱؎ گلشن منہوی صفحہ ۱۳۱ ۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع کہ اسکوں ۳؎ ایضاً نہ ہوئے کہ تجھ کوں اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہیں بعض اشعار کی کتابت غلط ہوئی مگر ان کو صحیح کرکے درج کیا جاتا ہے

آنکھیں بجا... شمع کو فانوس میں پلک
اے یار درمیاں سے پردہ اٹھانہ دے

قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دور
بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرط وفا نہ دے

بے طرح جوش گل نے لگائی چمن میں آگ
ڈرتا ہوں آشیانہ کو کافر جلا نہ دے

انجام زمزمہ تجھے بس ہے اے عندلیب
باد صبا اگر زر گل کو اڑا نہ دے

۴؎ مخزن نکات ع۔ عاشق کے دل سے پوچھیے اس غم کو اے فغاں ۵؎ ایضاً بڑی ۶؎ تذکرہ میر حسن ع۔ عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہے ۷؎ ایضاً اور گوشہ تنہائی ہے ۸؎ ایضاً لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہے۔

دل بیتاب فغاں است ایوب نہیں
نہ اے صبر ہی ہرگز نہ شکیبائی ہی

قطعہ

خاکساری[1] بھی[2] فغاں کی مل گئی ہو خاک میں
یہاں تلک[3] ہمکو کیا پامال تیری راہ نے

خواری و زاری گرفتاری غریبی بیکسی
جو نہ دیکھا تھا سو دکھلایا دل بدخواہ نے

واہ واہ جو کچھ ہوا ہر حال وہ شاکی نہیں
یہاں تلک تو کام پہنچایا ہی اس کا چاہ نے[4]

چشم گریاں آہ سوزاں خستگی[5] دلبستگی!
شکر اس کا کیجے کیا کیا دیا اللہ نے

جو بہا چشم سے خوں گوشۂ داماں جانے
ہاتھ سے[6] جو کہ ہوا کام گریباں جانے

کیا کہوں زخم جگر کی تو زباں قاصر ہی
یار کے حق نمک کو وہ نمک داں جانے

کوئی دانا بھی خرابی میں قدم رکھتا ہی
ہیں تو ناچار تھا اے دل تو ہی ناداں جانے

اے فغاں سہو سے پا برگ گل اوپر مت رکھ[7]
ان پھولوں کا مزا خار بیاباں جانے

دل[8] زلف میں ابھے[9] مجھے آرام یہی ہی
میں صید بلاکش ہوں میرا دام[10] یہی ہی

یہاں تک ہیں ہوا خاطر عالم سے فراموش
پھر کوئی نہ پوچھے کہ تیرا نام یہی ہی

---

[1] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ہی [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بھی" ندارد [3] ایضاً "تک" [4] ایضاً یہ مصرع بہت ہی غلط لکھا ہوا ہی: یہاں تلک تو کام ہی پایا آشکارا ہمیں [5] ایضاً خستگی [6] ایضاً دست جو کہ ہوا کام گریباں جانے [7] مجموعۂ نغز ع بھول کر پاؤں نہ گل پہ نہ رکھیو زنہار نسخہ خان بہادر محمد شفیع سے اے فغاں بھول کے پا برگ گل مت رکھ۔ ان پھولوں کا مزا خار گریباں جانے [8] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ دل زلفوں میں ابجھے [9] گلشن ہند (صفحہ ۱۳۱) الجھا [10] تذکرہ میر حسن "مرا کام"

کر چاک گریباں تجھے ہر صبح دکھاؤں　　میں عاشق صادق ہوں[1] میرا کام یہی ہی

بھر لیجیو دامن میں فغاں لخت جگر کو[2]

ہم خانہ[3] بدوشوں کا سر انجام یہی ہی!

تار کی طرح کہیں زلف بتاں سے ٹوٹے　　یا الٰہی دل بیمار بلا سے چھوٹے

آب میں ڈوب گئے سر سے قدم تک بوٹے　　آج گلشن ہیں میرے دل کے پھپھولے پھوٹے

طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم　　یہ نہ ہووے کہ میرا آبلۂ دل پھوٹے

یہ بھلا سچ ہی میری نعش پہ تو رووے گا　　یہ تو کہنے کی ہیں باتیں ارے چل جھوٹے

کر دیا وقف میرے کلبۂ احزاں کو فغاں

خوان یغما کے یہ معنی ہیں جو چاہے لوٹے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت[4] غم سے کام ہی　　کیا خوشی یارو زمانہ میں کسی کا نام ہی

کیوں جگر کھودا کئے ہوتا ہی کیوں تو روسیاہ　　غیر کا ہی اسم یہاں[5] کیا خاک تیرا نام ہی

کیا کروں جنت کو لے کر اے میرے غلمان وقت

تو نہیں گر واں تو کس کافر کے تئیں آرام ہی

گر کوئی مار ڈالے تیری بلا سے کیا تجھے　　بلکہ[6] خوش آتا ہی اے ظالم یہی چرچا تجھے

کھول کر بند قبا کس کس سے[7] تو ملتا نہیں　　آپ سے ہم نے غرض ہوتے نہ دیکھا تجھے

قطعہ

اس[8] میرے پیماں شکن کو اس[9] میرے بدعہد کو[10]　　لکھ میرے کاتب اگر آتی ہی یہ انشا تجھے

کچھ تو باعث ہی فغاں کا نامہ بر پھرتا نہیں

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ندارد [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کو" [3] ایضاً "ہم خانہ بدوشاں کا" [4] ایضاً "ہر وقت سے" [5] ایضاً "ہی" اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہی:

اے فغاں کیوں دل پھنساتا ہی تو ان زلفوں کے بیچ　　جان سے چھوڑے گا تیرا یہ تو کافر دام ہی

[6] تذکرہ میر حسن ص۱۲۲ "بلکہ" [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کس کس کوں ملتا نہیں" [8] ایضاً "اوس" [9] ایضاً "کوں" [10] ایضاً "کوں"

یا اسے حالت میری بھولی ہو ظالم یا تجھے[1]

تیر نگہ حریف دل بیقرار ہی
تک جنبش مژہ میں کلیجے کے پار ہی

تو آج چہچہے تو مچالے چمن کے بیچ
کل عندلیب رخصت فصل بہار ہی

ہیں گے برنگ شیشۂ ساعت یہ دوستاں
منہ پر ملے ہیں صاف پہ دل میں غبار ہی

کھلتے ہیں خود بخود ترے بند قبا فغاں
کس سیم تن سے وعدۂ بوس و کنار ہی

مفت سودا ہی ارے یار کہاں جاتا ہی
آ میرے[2] دل کے خریدار کہاں جاتا ہی

کج کلہ تیغ بکف ہیں برابر و بے باک
یا الٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہی

گو مغیلاں کے تئیں دشت میں آتش دیویں
چھوڑ یاروں کو میرے خار کہاں جاتا ہی[3]

لیے جاتی ہی اجل جان فغاں کی[4] اے یار
پیچھو تیرا گرفتار کہاں جاتا ہی

جام دے ہی تو ابھی[5] موسم باراں باقی
یہی رہ جائے گا ساقی تیرا احساں باقی

توڑ دوں ان کو بھی ناصح تو نہ رو منت کیجو
رہ گئے ہیں یہ کئی تار گریباں باقی

پاؤں کا ایک پھپھولا بھی رہا ہیں دل میں
تشنہ ہی تشنگی خار بیاباں باقی

---

[1] ایضاً یہ "اس غزل میں ایک شعر اور ہی جو ٹھیک سے پڑھا نہیں جاتا:

اپنے گھر لاتے ہوئے آتی ہیں آنکھوں احتراز
غیر کے گھر میں نہ لے جاوے خدا تنہا مجھے

[2] مجموعۂ نغز (ص ۷۹) "اے مرے دل" مخزن نکات (ص ۴۳) "او میرے دل" آب حیات (ص ۱۱۶) "آ مرے دل" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "اے میرے دل" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "چھوڑ یاروں کو میرے یار کہاں جاتا ہی" [4] دیوان کے قلمی نسخہ میں "کا" ہی، نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "کی" "آب حیات" کو [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بجھے"

[6] ایضاً "توڑ دو سب کو ہی ناصح تو نہ منت کیجو - رہ گئے ہیں کئی اب تار گریباں باقی - یہ شعر فاضل ہی:

یار راضی ہو تو اس سے یہ کہیں ہم سودا
اے فغاں دل تو گیا مفت ہی اب جان باقی

یار راضی ہو تو بوسہ پہ کریں ہم سودا
اے فغاں دل تو گیا مفت ہے اب جان باقی

حور و ملک نہیں ہے وہ شوخ پھر تو کیا ہے — گر ہے خدا تو اس کے جلوہ میں دیر کیا ہے
نام و نشاں سے فارغ رہے تو خوب رہے — آسودہ نہ زمیں پہ ماٹی کا ڈھیر کیا ہے
سر تا قدم تلک دل کیوں کر نہ ہو تصدق — چیرے کا پیچ تسپر دامن کا گھیر کیا ہے
ہے راہ عشق مشکل آساں نجان اس کو
نہ جائے گا فغاں تو اتنا دلیر کیا ہے

خون جگر کو جام محبت میں بھر چکے — ساقی پہنچ شتاب کہ مخمور مر چکے
نخل مراد موسم پیری میں کیا پھلے — جو دن میرے شباب کے تھے سو گذر چکے
اے شہسوار نام نہ لے تو رکاب کا — سر کو اسی لئے ترے پاؤں پہ دھر چکے
جراح کیا سبب ہے فغاں کا یہ زخم دل
کچھ روز یہ نہیں کئی پھائے اتر چکے

چشم پرنم میرے حق میں حلقہ زنجیر ہے — کس طرح آزاد ہوں آنسو بھی دامن گیر ہے
کچھ نظر آتا نہیں اس میں بغیر از انتظار — یہ ترا حیرت زدہ کیا دیدۂ تصویر ہے
جبہ سائی کا نشاں جاتا ہے پیشانی سے کب — کیا مٹا دے گا کوئی اس کو خط تقدیر ہے
خاک میں کیوں دفن کرتا ہے فغاں کی لاش کو
لے میرے قاتل یہ عاصی قابل تشہیر ہے

کون کہتا ہے کہ حلاجوں کا یہ دستور ہے — کلمۂ حق جو کوئی بولا وہی منصور ہے
ہاتھ میں لیتا تو ہے دل کو ولیکن دیکھ لے — مت پٹک جاوے کہیں ظالم یہ شیشہ چور ہے

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا" ۲؎ ایضاً "اس کو" ۳؎ ایضاً کیا

ایک دم خالی نہ پایا اشک سے اس آنکھ کو
چشم زخم دیدۂ پرنم مگر ناسور ہے

لامکاں میرے کا ہو دیدار حاصل سو کہاں
دل سے گو نزدیک ہے لیکن نظر سے دور ہے

بزم خوباں میں فغاں لیتے نہیں عاشق کا نام
غیر کا یہاں ذکر ہے تیرا کہاں مذکور ہے

[11] مسیحا تو ہوئے میرے تیرے اعجاز کے صدقے
جلایا پھر مجھے بلبل تیری آواز کے صدقے

کہاں جاتی ہے خوبی حسن کے خط کے نکلنے سے
تیرے انجام کے قرباں تیرے آغاز کے صدقے

شراب و ساغر و مینا رباب و مطرب و قانون
عجب سامان سے آیا ہے تو اس ساز کے صدقے

فغاں سوئے چمن کنج قفس سے ہم اسیروں کو
اڑا کے لے گیا اپنے پر پرواز کے صدقے [12]

کیوں کر ہو زندگی میرے غم خوار مر گئے
جو باعث حیات تھے وہ یار مر گئے

آنکھیں کہاں رہیں جو رواں ہو سرشک طفل
اس کارواں کے قافلہ سالار مر گئے

طالع کہاں جو تیغ نگہ سے شہید ہوں
ہم سے غریب اپنے تئیں مار مر گئے

باقی کہاں رہے ہیں زمانہ میں اہل دل
روتے تھے روز و شب سو وہ بیمار مر گئے

ہم کو برنگ نقش قدم کچھ قیام ہے
اکثر تو زیر سایۂ دیوار مر گئے

کالا بد ہوا دل عشاق واہ واہ
بے قدر ہے یہ جنس خریدار مر گئے

خالی پڑے ہیں یہ قفس سینہ اب فغاں
رہتے تھے یہاں جو مرغ گرفتار مر گئے

مجھے تو تعزیہ دار اپنا کر گئے اپنے
کہ جو شفیق تھے وہ دوست مر گئے اپنے

---

[11] ایضاً مسیحا تو ہووے اگر تیرے [12] ایضاً اس نسخہ میں مقطع یہ ہے

بغیر اس کے فغاں کے درد کو پاتا ہے کب کوئی
ہوا ہے ہم نوا میرے ایسے دمساز کے صدقے

عبث کو تڑپھے ہے کنج قفس میں مرغ چمن[1] — اسی تڑپھ میں تو بال و پر گئے[2] اپنے
میرا[3] مقام ہے اس سرزمیں پہ عاریتہً — ادھر کو جانا ہے آخر جدھر گئے اپنے
میرے جو نالۂ گریہ ہوئے تھے وہ مردم — سرشک چشم سے دامن کو بھر گئے اپنے
نہ ہوں ہیں کیونکہ عزیزاں سراغ سیل سرشک — ان آنسوؤں ہیں تو لخت جگر گئے اپنے
کسے تو ڈھونڈتا پھرتا ہے اے فغاں تنہا
کہ اس سرائے مسافر تو گھر گئے اپنے

سینہ کو نقط ہیں نہ کیا تیر کے آگے — سر کو بھی جھکایا تری شمشیر کے آگے
افسردگی دل نہیں چاہی ہے چمن کو! — بے لطف ہے گل بلبل تصویر کے آگے
فرہاد تیری کوہ کنی کیا ثمر کریگی — ڈرتا ہوں کہیں خوں نہ بہے تیشہ کے آگے
سنتے نہیں اب زمزمۂ مرغ چمن کو — خاموش ہے میرے نالۂ شبگیر کے آگے
اس وقت میں جو نام فصاحت کا فغاں لے
کب پیش نہ جاوے میری تقریر کے آگے

اٹھ چکا دل میرا[4] زمانہ سے — اڑ گیا مرغ آشیانہ[5] سے
دیکھ کر دل کو مڑ گئی مژگاں — تیر خالی پڑا نشانہ[6] سے
چشم کو نقش پا کروں کیونکر — دور ہو خاک آستانہ سے
ہم نے پایا تو یہ صنم پایا — اس خدائی کے کارخانہ[7] سے
تیرے زنجیر زلف سے نکلے — یہ توقع نہ تھی دیوانہ سے
اے فغاں درد دل سنوں کب تک
اڑ گئی نیند اس فسانہ سے

---

۱ گلشن ہند: تڑپے ۲ گلشن ہند: تڑپ ۳ ایضاً: مرا ۴ گلشن ہند (ص ۱۳۱): مرا زمانے سے
۵ ایضاً: آشیانے ۶ ایضاً: نشانے ۷ ایضاً: کارخانے

اس جور و جفا سے تیرے زنہار نہ ٹوٹے
یہ دل تو کسی طرح سے اے یار نہ ٹوٹے

غیروں کو نہ کر مجھ دل بسمل کے مقابل
جو زنگ لگاتے تیری تلوار نہ ٹوٹے

وہ شیشۂ دل ہے کہ اسی سنگ جفا پہ
سو بار اگر پھینکیے اک بار نہ ٹوٹے

رکھ قیس قدم وادی لیلےٰ میں سمجھ کر
اس دشت محبت کا کوئی خار نہ ٹوٹے

جنبش میں نہ لا سبحۂ اسلام کو اے شیخ
نازک ہے میرا رشتۂ زنار نہ ٹوٹے

شانہ سے فغاں پھر اولجھتا ہے میرا دل
اس کاکل مشکیں کا کوئی تار نہ ٹوٹے

عشاق تیرے گرمی بازار کر گئے
اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے

گویا میں خاک ہوں میرے مر گئے وہ ہمنفس
مجھ کو بزنگ صورت دیوار کر گئے

وے جو قمار عشق میں بدتے تھے دل فغاں
جیتیں گے خاک دل کو یہاں ہار کر گئے

لاکھوں اذیتوں کے سزاوار ہو چکے
عاشق ہوئے کہاں کہ گنہ گار ہو چکے

اے سرو قد تبا تو قیامت میں کیا رہا
آسودگان خاک بھی بیدار ہو چکے

جو چہچہے چمن میں مچاتے تھے روز و شب
وہ مرغ تو قفس میں گرفتار ہو چکے

دل ہی بساط میں سو لگاتا ہے اے فغاں!
سودا ہو یا نہ ہو پہ خریدار ہو چکے

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے
چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے

لخت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک
گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے

ہر دم ہو کون حاجب درباں سے ملتجی
ہم اس گلی میں خاک سر او پہ اڑا چلے

روکے کیسے یہ میری آستین فغاں
وہ تو جدا چلا میرے آنسو جدا چلے

اے عندلیب زمزمہ کم رے پکار کے | آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے
کیا پوچھتے ہو خاک ہی کوچہ میں یار کے | مارے ہوئے پڑے ہیں کئی انتظار کے
ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب | کھلتی نہیں ہی چشم تو مارے خمار کے
کیوں کر کوئی زیارت زخم جگر کرے | پردے اٹھتے نہیں ہیں دل داغدار کے

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
بندہ ہیں ہم تو اس ترے صبر و قرار کے

نہ حیا چشم میں نے دل میں وفا رکھتا ہی | آپ سے تو نہیں رہتا ہی خدا رکھتا ہی
توڑ کر دل میرے ساقی نے ندامت کھینچی | جب میں آتا ہوں تو شیشہ کو چھپا رکھتا ہی
دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا سو معلوم | کہنے سننے کے لئے بات بنا رکھتا ہی

دل میں یہ تھا کہ نہ جاوے ترے کوچہ سے فغاں
کیا کرے یار خدا تجھ سے جدا رکھتا ہی

اس آئینہ کو گرد کدورت سے ننگ ہی | دل پر غبار خاطر احباب زنگ ہی
جاتا ہی کس طرف کو چلا کاروان عمر | لے کر بقا سے تا بہ فنا ایک فرسنگ ہی
کیا کیا مزہ تڑپ کے دکھاوے یہ مرغ دل | افسوس وسعت قفس سینہ تنگ ہی

جاتی رہی فغاں ترے دل کی شگفتگی
اس گل کو کیا ہوا کہ نہ بو ہی نہ رنگ ہی

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے | فغاں میں اس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

ل نسخہ خان بہادر محمد شفیع "میں" ۲ ایضاً "مارے گئے ہوئے ہیں ترے انتظار کے" ۳ "کھلتے نہیں ہیں" ۴ گلشن بے خار (ص ۲۲۲) اور سخن شعرا (ص ۳۶۹) میں یہ مصرع اس طرح ہے ع - یہاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا ۵ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "نہ" ۶ ایضاً "کو" ۷ ایضاً "میرے کہنے کے لیے" ۸ ایضاً "چھوڑے ترے درختوں کو د ؟ ، فغاں"

نہ دوستی سے وہ ہوتا ہے مانع فریاد — غرض تو یہ ہے کہ مر جائے[1] پر نہ آہ کرے

ہمارے جرم کو چاہا تیری کریمی نے
اسی کے واسطے بخشش ہے جو گناہ کرے

سوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے — اس داغدار دل کو پھروں میں کہاں لیے
وا ہوں برنگ گل جو سخنداں ملے کہیں — غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے
اس قافلہ کے بیچ صدائے جرس نہیں — جاتا ہے[2] سیل اشک عجب کارواں لیے
ناحق تو خاک چھانتا پھرتا ہے اے ہما — اس کے سگاں کو میری[3] استخواں لیے

قطعہ

شکوہ میں کب کیا ترے جور و جفا کا یار — گلگوں کفن کو اپنے پھروں میں کہاں لیے
سینہ برنگ تختۂ لالہ ہوا ہوا — تو نے ہزار داغ دیے ہم نے ہاں لیے

دل تھا میری بساط میں سو دے چکا فغاں
اب بھاگنا پڑا ہے مجھے اپنی جان لیے

قاتل کے دم تیغ سے یہ بد ابھی ہاہے — بسمل کی زبان پر طپش تشنہ لبی ہے
آنکھیں ترے پانوں سے لگیں عین سعادت — دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہے
ممکن نہیں جو غیر کا اس میں نہ پڑے عکس — یہ آئینۂ صاف دلان گو حلبی ہے

قطعہ

یہاں ذکر دوئی کا نہیں احمد کو احد جان — اس پردۂ اسرار میں اللہ نبی ہے

---

[1] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "مرجا دے" [2] کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں "جاتی ہے" [3] کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں یہ مصرع اس طرح درج ہے: اس کے سگان کو لی میری استخواں لے

دامن نہ فغاں چھوڑیو تو آلِ عبا کا

لے قبلۂ دلہا یہ قبائے عربی ہی

صنم نامہربان ہو اس قدر اے میرے رب کیا ہی[۱]
میری تقصیر کچھ ثابت نہیں وجہ غضب کیا ہی

قدم پر ہاتھ جب رکھتا ہوں یوں کہتا ہی جھنجلا کر
یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں اے بے ادب کیا ہی

ہمارے دل کو الفت اس قدر کچھ ہو گئی غم سے
خوشی کا نام سنتے ہی جی نکل جاوے عجب کیا ہی

صبا[۲] ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر

گریباں چاک رہتا ہی فغاں اس کا سبب کیا ہی

ہمارا محرم دل تو حد تنگ یار بہتر ہی
رہی سینہ میں عاشق کے یہی غمخوار بہتر ہی

مجھے گلشن میں مت بھیجو مجھے صحرا میں مسٹی پھینکو
میرا رہنا تو زیر سایۂ دیوار بہتر ہی

ہوا ہی رشتۂ الفت رگِ جان پرستوں کا
تیری تسبیح سے زاہد میرا زنار بہتر ہی

فغاں سن کر میری فریاد یوں کہتے ہیں ہمسایہ

ہوا معلوم کچھ آگے سے یہ بیمار بہتر ہی

معمور[۳] ہی یہ باب قفس باز کہاں ہی
گو باز ہو یہاں طاقت پرواز کہاں ہی

یہ بندہ نوازی ہی اگر خط[۴] نہ ترا شو
چہرہ تو ابھی صاف ہی[۵] آغاز کہاں ہی

باعث تو بتا اپنی خموشی کا چمن میں

اے بلبل نالاں ترا دمساز کہاں ہی

---

[۱] تذکرہ ہندی (ص ۱۶۴) صنم نامہرباں مرجیسی اس قدر وجہ غضب کیا ہی۔ مری تقصیر کچھ ثابت نہیں اے میرے رب کیا ہی" نسخہ خان بہادر محمد شفیع صنم نامہرباں مرجیسی ہ اس قدر اے میرے رب کیا ہی۔ میری تقصیر ثابت بے وجہ غضب کیا ہی" [۲] ایضاً صبا ہر اک گلشن میں پوچھو تو نجا ہر گز [۳] نسخہ خان بہادر محمد شفیع معمور اب باب قفس یار کہاں ہی۔ گر باز ہوئی طاقت پرواز کہاں ہی [۴] ایضاً گو [۵] ایضاً "ہی" ندارد

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہی تو یہ ہی — گر زشت ہی تو یہ ہی اور خوب ہی تو یہ ہی
پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دوں — معشوق ہی تو یہ ہی محبوب ہی تو یہ ہی
تحقیق کر چکا ہوں اس چشم و دل کو اپنے — یعقوب ہی تو یہ ہی ایوب ہی تو یہ ہی
اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا — ہوشیار ہی تو یہ ہی مجذوب ہی تو یہ ہی

لخت جگر فغاں نے اب نامہ بر کیا ہی
پیغام ہی تو یہ ہی مکتوب ہی تو یہ ہی

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے — مقدور جب نہ ہووے[1] تو مجبور کیا کرے
اب گذر جفا سے میں سجدہ[2] بھی کر چکا[3] — کچھ معذرت ہی نہیں معذور کیا کرے

چنداں عجب نہیں ہی جو رسوا ہوا فغاں
تشہیر گر نہ ہووے[4] تو مشہور کیا کرے

غیر از دوئی کے مانع دیدار کون ہی — وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہی
بیم غضب رکھے ہی مجھے مغفرت[5] سے دور — تو وہ کریم ہی تو گنہ گار کون ہی
جاگا کوئی نہ خواب عدم سے کہ پوچھے — آسودگان خاک میں بیدار کون ہی

میں مر گیا پہ آہ نہ پوچھا فغاں مجھے
درد جگر کسے ہی یہ بیمار کون ہی

مرتے مرتے بھی نہ نکلی آرزو بیمار کی — رہ گئی حسرت میرے جی میں ترے دیدار کی
آج کی شب تو خبر لے دل افگار کی — صبح تک کچھ اور حالت ہی ترے بیمار کی
ایک دن تو آ میرے خورشید اپنے بام پر — دیکھتا کب تک رہوں صورت در و دیوار کی

---

۱ ایضاً نہوے ۲ ایضاً سجدے ۳ ایضاً کر چکا ہوں ۴ ایضاً نہ ہوئے
۵ گلشن بے خار ص ۲۲۱ "پر"

کیوں میرے قاتل کوئی مجھ سا خریدار ہوں میں ہے
جی نمک دوں ہوا گر قیمت تبرے تروار کی

ہو اشک میری چشم سے کب تک رواں رہے — اس قافلہ کو دیکھیے تھک کر کہاں رہے
آدے تو زندگی ہے نہ آدے تو بالغیب — جیتا رہے وہ یار ہمارا جہاں رہے
دل کیا ہے ایک قطرۂ خوں ہے ٹپک چکا — یہ زخم وہ نہیں کہ سدا خوں چکاں رہے
اتنا گداز شیشۂ دل کیجیو فغاں
جس میں کہ پاس خاطر نازک دلاں رہے

اے ترک چشم فوجِ خط سیاہ بس ہے — غارت کو ملک دل کی اتنی سپاہ بس ہے
کب ہے یہ محضر دل محتاج شاہدوں کا — داغ جگر ہمارا اس کا گواہ بس ہے
رشتہ کو ہے گہر سے جو ربط یاں دلی کا — اتنی بھی اس کے دل میں ہو مجھکو راہ بس ہے
مجھ کو فغاں کہاں ہے نالہ کشی کی طاقت
لب تک بھی آکے پہنچے یہ دود آہ بس ہے

رہتی تھی نت گرفتہ دلی غنچہ ساں مجھے — لائی شگفتگی پہ یہ میری زباں مجھے
کرچاک جیب صبح قیامت دکھائیے — یہ ہے عزیز خاطر آسودگاں مجھے
کس طرح سے رہے میری عریاں تنی کا لطف — رنگین کرے ہے زخم دل خونچکاں مجھے
آکر میرے گلے سے لگے ہے ہر ایک دم — جانا ہے تیری تیغ نے ننگ فساں مجھے
بے وقر تر ہوا ہوں سگ کوئے یار سے — دھتکارتا رہے ہے سدا پاسباں مجھے
کرنی پڑی ہے اب تو فغاں یاد رفتگاں
اس دل نے کر دیا جرس کارواں مجھے

۱؎ کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخوں میں "تروار" ہی ہے

آج تو یار میرا مجھ سے جدا ہوتا ہے — جی رہے یا نہ رہے دیکھیے کیا ہوتا ہے
گر پڑا آہ زمیں پر یہ میرا طفل سرشک — اٹھ سکے تو میری پیری کا عصا ہوتا ہے
کہو منعم کو نہ مغرور رہو مانند حباب — ایک دم میں سبھی اسباب فنا ہوتا ہے
گر کرو دل تیری غلامی تو میرا ننگ نہیں — عشق میں بادشہ وقت گدا ہوتا ہے
سجدۂ شکر میں گر خاک جبیں ہو جاوے — کب تیرا حق میری گردن سے ادا ہوتا ہے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے
ٹھیس باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہے

رکھ ہاتھ میں اس نگ کو یہی ناموری ہے — لخت دل عشاق عقیق جگری ہے
اس دل کو الٰہی کہیں آسیب نہ پہنچے — میں ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشہ میں پری ہے
رونے دے شب وصل میں دل کھول کے مجھ کو — یہ قافلۂ اشک سحر تک سفری ہے
پابند نہیں رخصت پروانہ کا ہرگز — یہ دام تعلق میری بے بال و پری ہے
صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنادے — دل توڑنا یہ کون فن شیشہ گری ہے
ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں — اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہو نہ بھری ہے

کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو
بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

مجھے رسوا کریں گے خلق میں وہ راز کیا سمجھے — خدا جانے کہ میں نے کیا کہا غماز کیا سمجھے
ہزاروں مجھ سے نالاں ہیں کہ درد و رنج یہ مرتے — میری فریاد کیا جانے میری آواز کیا سمجھے

میری طفلی ہی میرے حق میں حکم دام رکھتی ہے
رہا ہونا قفس سے صید نو پرواز کیا سمجھے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیے[١] — اپنی طرف سے ہاں میرے صاحب نباہیے

---

[١] مجموعہ نغز۔ وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں اس کو چاہیے۔ اپنے کیے کو اے میرا صاحب نباہیے۔
نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ وہ چاہے گر نہ چاہے فغاں آپ چاہیے

یک داغ ہو بلا سے تو اس کا کروں علاج ۔۔۔ کیا کیا ستم ہے میری چھاتی سرا ہے

مارا ہی مجھ کو اس دل بیمار نے فغاں
کب تک رہی یہ درد کہاں تک کراہیے

جیسے یہ شیخ یا رب گالیاں کھانے کے کام آوے ۔۔۔ نہ مقبول حرم ہووے نہ بت خانے کے کام آوے
مجھے کہہ ذبح کہتا ہی میرا قاتل کہ یہ بسمل ۔۔۔ اگر جیتا بچے تو پھر مر جانے کے کام آوے
ہمیں مدفون اپنے میکدہ میں کیجیو ساقی ۔۔۔ کہ خاک مے پرستاں تیرے پیمانے کے کام آوے
ہوئی ہو فرش رہ اس آرزو میں چشم عاشق کی ۔۔۔ کہ تا ہو کر مژہ جاروب کاشانے کے کام آوے
خدا کے واسطے ظالم گرہ مت زلف کو دینا ۔۔۔ کھلی رکھنا کہ یہ زنجیر دیوانے کے کام آوے

فغاں گزرے ہی جو دل پر اسے تحریر میں لانا
کہ تیرا قصہ جانکاہ افسانے کے کام آوے

سب مزے لے کے تیری بزم سے خورم گئے ۔۔۔ ایک ہم کمبخت دل رکھتے تھے چشم نم گئے
میں نہیں رکھتا تیرے کوچے جا چشم تر ۔۔۔ ڈب ڈبا کر آگئے تھے اشک لیکن تھم گئے
کیا دکھاؤں میں تجھے جراح یہ زخم جگر ۔۔۔ اب اتر سکتے نہیں تجھ سے یہ پھاہے جم گئے

اے فغاں طاقت کہاں دل میں جو کھینچے انتظار
یار جب آوے گا تب کی بات اب تو ہم گئے

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے ۔۔۔ عجب حالت ہی میری اے میرے اللہ کیا کیجے
عبث ان حاسدوں نے دیدۂ یعقوب کو تر کر ۔۔۔ زلیخا کا ڈوبایا خانماں اے جاہ کیا کیجے

قطعہ

نصیحت فائدہ رکھتی نہیں شیخ و برہمن کو ۔۔۔ ندامت آپ کھینچیں گے انھیں آگاہ کیا کیجے

لہ تذکرہ ہندی و نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ مر جائے کسی کو نہ دنیا میں چاہیے ۔ کہ تذکرہ ہندی "مرے"

فغاں میں نے تو یہ کچھ آزمایا دیر و کعبہ میں
مراد دل نہ بر آئی انھوں سے راہ کیا کیجے

گیا جو دیر میں تو سر پٹک کر یہ کہا میں نے
اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے

جو آیا پھر حرم میں تو وہاں یہ عرض کی میں نے
عجب حالت ہی میری اے میرے اللہ کیا کیجے

صیاد اور صید کی مت کر ہوس ابھی[1]
معمور مشت پر سے ہی کنج قفس ابھی

شاید گذر ہی ناقہ لیلیٰ کا دشت میں
آئی ہمارے گوش میں بانگ جرس ابھی

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوہ[2] سے باز آ
سن پائے گا فغاں کوئی فریاد رس ابھی

باغ و بہار جس کی نظر میں خزاں لگے
تو ہی بتا کہ یہ دل وحشی کہاں لگے

تیرے خدنگ ناز کے اوپر دل و جگر
قربان ہو رہے ہیں نشانے جہاں لگے

رکتا ہی دل فغاں میں کہاں تک ہوں خموش
گر درد دل کہوں ہوں تو کہتا ہی ہاں لگے

مارا پڑا ہی تو بھی قاتل سے منفعل ہی
وہ کون ہی ہمارا خانہ خراب دل ہی

مر جاؤں تو بھی میرے احوال کو نہ پوچھے
ظالم ہی جنگ جو ہی کافر ہی تنگ دل ہی

اے چشم عاشقاں میں خال سیہ کو دیکھو
جس کی یہ مردمک ہی مردم کہیں ہیں تل ہی

احوال کچھ نہ پوچھو خانہ خراب دل کا
بیمار و ناتواں ہی رنجور و مضمحل ہی

دیکھیں فغاں کی حالت روز جزا میں کیا ہو
عاصی ہی رو سیہ ہی نادم ہی منفعل ہی

۱؎ تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۱) صیاد اور صید کے منکر ہوس ابھی (جو غلط ہی)

۲؎ ایضاً شکوے

رباعیات

(۱)

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے
مژگاں میں در اشک پروتے رہتے
بے خندۂ یار کیا ہو گریہ میں مزا!
ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

(۲)

فاسق گر ہجو عافق پاک کرے
عاشق جو سے[1] نہ دل کو غمناک کرے
رہتا[2] نہیں دل میں سینہ صافوں کے غبار
آئینہ میں گرد کیا اثر خاک کرے

(۳)

گو منہ میں نہیں بات نوا رکھتے ہیں
ہاتھوں میں نہیں زر پہ دعا رکھتے ہیں
تم ہم سے جو کہتے ہو یہ کیا رکھتے ہیں
ہم کچھ نہیں رکھتے ہیں خدا رکھتے ہیں

(۴)

کن کن طرحوں سے آزمایا ہم کو
کن کن طرحوں میں خوب پایا ہم کو
پامال کیا تھا ہم تو اس میں خوش تھے
دامن کو لٹا کے پھر اڑایا ہم کو

(۵)

دیکھا ہو گا کسی نے یہ عالم صبح
غیر از اس چشم کے جو ہو ہمدم صبح
رونے میں فقط رات کاٹی ہم نے
جلتے رہے شمع صفت تا دم صبح

(۶)

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم
درد شب ہجر جی سے کھونا معلوم

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ عاشق نہ سنے سے دل کو غمناک کرے۔ [2] ایضاً رہتی نہیں لب سینہ صافوں کی غبار

اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ — رونا تو نصیب ہے سونا معلوم

(۷)

اس سنگ جفا سے دل میرا ٹوٹ گیا — صد شکر کہ ایذا سے فغاں چھوٹ گیا
آسیب ہوا کسی پری کا سو غلط — شیشہ تھا یہ دل ٹھیس لگی پھوٹ گیا

(۸)

آتا ہوں تیرے در کے اوپر جب اے ماہ — کہتا ہے رقیب کچھ نہ دو اس کو راہ!
تو رہ اور تیرے یار رہیں دنیا میں — میں جاتا ہوں ظالم بھلا اللہ اللہ

(۹)

آنے سے میرے یار کے آفت ہوگی — یہ تو معلوم ہے کہ راحت ہوگی
اس چشم کو دیکھ فتنہ برپا ہوگا — جب قد نظر آوے گا قیامت ہوگی

١٠

اے زخم جگر تو خون جاری کرنا — اے مردم چشم اشکباری کرنا
سینہ میں لگائی شعلۂ آہ نے آگ — ہے وقت مدد سرشک جاری کرنا

١١

گر تونے کی یاری یاری وہ بھی گذری — ہم نے کی آہ وزاری وہ بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری وہ بھی گذری

متفرقات

اس قدر چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا — داغ سینہ کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تو بھی حیرت میں رہا دیکھ کر آئینہ کو — جو تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ کو روزی ہو میری[1] جان دعائیں لینا — مجھ کو ہر شب تیری[2] زلفوں کی بلائیں لینا

---

[1] تذکرہ ہندی "مری" [2] تذکرہ ہندی "تری"

کفر و اسلام ایک جا پایا ‏ دیر کو خانۂ خدا پایا
عشق میں خوب آزمائے نصیب ‏ ہم نے کم بخت اپنے پائے نصیب

دل شمع صفت بزم میں افروختہ ہووے ‏ اتنا نہ جلانا کہ جگر سوختہ ہووے
اے چشم نہ ہو صحبت مردم سے جدا اشک ‏ اس طفل کو رہنے دے کہ آموختہ ہووے
ہی شرط کہ محتاج نہ ہو پھر رفو کا ‏ گر تار نگہ سے یہ جگر دوختہ ہووے

فانوس میں بہتر ہی منہ شمع کو دکھلانا ‏ پردہ کے اٹھانے سے جل جائیگا پروانہ
مدعی شام سے سرگرم تھا جاسوسی میں ‏ کٹ گئی رات میری تیری قدم بوسی میں
شیخ اس تیرے مؤذن کی صدائیں سن لیں ‏ گر اثر پایا تو کچھ نالۂ ناقوسی میں
ہم نے تیرے فراق میں گر جی دیا تو کیا ‏ ایسا موا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا
ناصح تیرا سوزن تو میرا خون پیے گا ‏ اس چاک جگر کے تئیں کیا خاک سیے گا
بیمار فغاں ہی اے مست پیچ میں لینا ‏ اے زلف سیہ رو تیرا کاٹا نہ جیے گا
نہ وا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا ‏ یہ وہ ہی جسنے کلیجے کو داغ داغ کیا
سراغ اس کا نپایا کو وہ صحرا میں بھی سر پٹکا ‏ خدا جانے میرا قاصد کہاں بھولا کہاں بھٹکا
کرتا ہی داغ سوزش خون جگر مدد کر ‏ جلتا ہی دل ہمارا اے چشم تر مدد کر
اے آہ اشک میرے چلنے سے رہ گئے ہیں ‏ یہ قافلہ تھکا ہی تو ہم سفر مدد کر
سرگذشت اس دل کی پوچھیگا اگر دیوان حشر ‏ دفتر دل پر میرے تنگ آئے گا میدان حشر
میں تجھے مرتے تلک بھی یاد کرتا ہی رہا ‏ داد کو پہنچا نہ میں فریاد کرتا ہی رہا
مر گئے آخر فغاں کنج قفس میں ہم اسیر ‏ نت ہمیں صیاد تو آزاد کرتا ہی رہا
بھلے آئے اپنا برا کر چلے ‏ یہاں کیوں ہم آئے تھے کیا کر چلے

پایا نہ سوز عشق سے ہرگز فراغ دل ‏ ‏ جلتا رہا مدام بجائے چراغ دل
کالائے بد کا کون خریدار ہے فغاں ‏ ‏ کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل
اے آہ جانتے تھے تجھے خیر خواہ دل ‏ ‏ تو بھی نکل چلے میرے سینہ سے آہ دل
یہاں تک چلا یہ قافلہ اشک تھک گیا ‏ ‏ مسدود ہو گئی ہے فغاں آج راہ دل

کر دیا یار کو جدا تو نے ‏ ‏ آہ یہ کیا کیا جفا تو نے
یہ تو رنگ حنا کی رنگت نہیں ‏ ‏ کس میں رنگین ہیں دست و پا تو نے
زخم دل ہو گیا فغاں ناسور ‏ ‏ کی نہ اس درد کی دوا تو نے

پردۂ زخم جگر مرہم زنگار ہوا ‏ ‏ یہ میرا راز نہاں اس پہ عیاں ہے کہ نہیں
نامہ بر کاش پھر آ دے تو فغاں میں پوچھوں ‏ ‏ چھوڑ آیا تھا جہاں دل کو وہاں ہے کہ نہیں

کیا کیا تیرا ستم میری آنکھیں نہ سہہ سکیں ‏ ‏ یہاں تک تو پھوٹ پھوٹ یہ روئیں کہ بہ گئیں
ابھی یار نے خط نکالا نہیں ہے! ‏ ‏ ابھی ماہ کے گرد ہالا نہیں ہے

عاشق کے دل سے ہرگز فرقت کا غم نہ جاوے ‏ ‏ یہ درد کم نہ ہووے جب تک کہ دم نہ جاوے
داماں و آستیں سے خونابۂ جگر تو ‏ ‏ چھینٹے لگی نہایت رکھتا ہے جم نہ جاوے

صفائی گوہر معنی کے آگے آب ہے شبنم ‏ ‏ بھرے ہیں ساغر گل اشک سے نایاب ہے شبنم
نہ پایا ایک دم بھی برگ گل اوپر قرار اس نے ‏ ‏ ترے در کی تو جنبش دیکھ کر بیتاب ہے شبنم

تو سنایا کہ میرے دل کو یہ بنتا نہیں ‏ ‏ جب کہ شیشہ چور ہو جاوے تو پھر بنتا نہیں

دنیا و دیں دل و جاں تجھ پہ گنوا چکا ہوں ‏ ‏ نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں
ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں اب ‏ ‏ یہ خاک وہ ہے جس کو سر پر اڑا چکا ہوں

کئی داغ سینہ میں رہ جائیں گے ‏ ‏ یہ آنسو نہیں ہیں کہ بہ جائیں گے
فغاں حالت نزع میں یار سے ‏ ‏ جو کچھ دل میں رکھتے ہیں کہہ جائیں گے

یہاں تک آہ شرربار کو میں گرم کروں ‏ ‏ تو سہی اس دل سنگیں کو تیرے نرم کروں

دے لب لعل سے بوسہ نہ کرے یار حجاب — میری کٹ جائے زباں میں بھی اگر شرم کروں
اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے — عجب حالت ہے میری لے میرے اللہ کیا کیجے
جن کی معاش یہ ہو کیوں کر رہیں وہ جیتے — لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے
چاک جگر ہے ناصح مت جانیو گریباں — چھن جائے گا کلیجہ آخر کو سیتے سیتے

گذر جب سے کیا تیری گلی میں — گدائی کا تصور بندھ رہا ہے
صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر — خدائی کا تصور بندھ رہا ہے
فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو — جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

کیا ہوا کیا مے ہی کیا مینا ہے کیسا ابر ہے — تشنہ لب مرتا ہوں ساقی آہ میرا صبر ہے
شمع کہتی دیکھ کر جلتا میرا لوح مزار — الاماں یہ تو قیامت دل جلے کی قبر ہے
نہ آنا پاس جب تک باغ سے یہ فصل گل جاوے — تیری بو سے صبا زخم جگر میرا نہ کھل جاوے
قیامت تک رہی وحشت دل مجنوں تیرے غم میں — نہ پاؤں سے کھلی زنجیر نے لڑکوں کا غل جاوے

اگر کنج قفس میں یہ دل آزاد آتا ہے — اسیرو سو گرفتاروں کا یہ استاد آتا ہے
خدا حافظ فغاں کس پیچ میں آیا ہے دل اپنا — وہ چیر الٹ پٹا رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے

ڈالا ہے مجھے عشق نے اس شوخ کے پالے — دل دیتے ہی مجھ کو تو پڑے جان کے لالے
ٹھکرا نہ اسے اے بت بے رحم کہ یہ دل — پالوں یہ تڑپتا ہے کلیجے سے لگا لے
ہے شرط کہ آگاہ نہ ہوں مردمک چشم — گر دل کو چرانا ہے تو آنکھوں میں چرا لے
میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے — تیرے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

مخمّس

خانۂ دل پہ مرے غم کی گھٹا چھائی ہے — آہ تو برق صفت زور چمک آئی ہے
چشم نے رو کے برشگال ہی دکھلائی ہے — عکس بھی کب شب حرماں کا تماشائی ہے
ایک میں آپ ہوں یا گوشۂ تنہائی ہے

فکر یہ ہے کہیں افشا یہ مرا راز نہ ہو — درد دل سے مرے آگہ کوئی غماز نہ ہو
تاکہ وہ ظالم بے رحم در انداز نہ ہو — دل تو رکتا ہے اگر بند قبا باز نہ ہو
چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہے

دل مرا آتش ہجراں سے سدا جلتا ہے — جسم تو شمع صفت غم میں پڑا گلتا ہے
جو کوئی دیکھتا ہے ہاتھ کے تئیں ملتا ہے — طاقت ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہے
آہ سینہ سے نکل لب پہ مرے آئی ہے

میں نے مانا لب خنداں سے تو مرغوب نہیں — اس قدر مجھ کو رلانا بھی تجھے خوب نہیں
چشم عشاق ہے یہ دیدۂ یعقوب نہیں — دل بے تاب فغاں امت ایوب نہیں
نہ اسے صبر ہی ہرگز نہ شکیبائی ہے

(۲)

کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ ہوگا — کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ ہوگا
کوئی آشنائی میں تجھ سا نہ ہوگا — کوئی بیوفائی میں تجھ سا نہ ہوگا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

میں وہ ہوں کہ ہرگز نہ آیا قفس میں — تفنن ہی کرتا تھا اس دشت خس میں
نہ رہتا تھا شائق کسی کی ہوس میں — سو یوں آ گیا دفعۃً تیرے بس میں

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمانہ میں آگے پری زاد بھی تھے | وہ ظالم نہ شنوائے فریاد بھی تھے
نہ تسکین دہ جان ناشاد بھی تھے | ستمگار تھے بلکہ جلاد بھی تھے

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمیں لے کے تا آسماں ہم نے دیکھا | فلک سے ملک تک جہاں ہم نے دیکھا
سمک سے سما تک یہاں ہم نے دیکھا | غرض غور کر ہر مکاں ہم نے دیکھا

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

کیا خوب تحقیق لوح و قلم کو! | برابر ہی سمجھا وجود و عدم کو
نہ دلچسپ پایا ہے دیر و حرم کو | برہمن سے لے کر میں دیکھا صنم کو

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

فغاں دہر میں قیس و فرہاد گذرے | وہ کرتے ہوئے داد و بیداد گذرے
مصیبت زدہ شاد و ناشاد گذرے | سبھی کام کے اپنے استاد گذرے

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

(۳)

اس بیوفا کا شکوۂ جور و جفا لکھوں | یا اس دل فگار کا میں مدعا لکھوں
یا چشم اشکبار سے دریا بہا لکھوں | یا جل گئے جگر سے شعلہ اٹھا لکھوں

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لے کر قلم کو ہاتھ میں گر میں شکستہ جاں | چاہوں کہ اپنے درد جگر کا لکھوں بیاں
گرتے ہی کلک ہاتھ سے از بس ہوں ناتواں | لکھ لکھ ہارا ایک وقت نہ کہہ تو خدا کو مان

قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

نے دن کو مجھ کو چین ہے نے شب کو خواب ہے | فرقت سے اس صنم کے قیامت عذاب ہے

مہماں ہوں کوئی دم کا یہ جی جوں حباب ہی	کیا پوچھتا ہی حال نہایت خراب ہی
قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کہتا ہی دل کہ اب مجھے جلنے کی تاب نہیں	سینہ کہے ہی داغ کا اس جا حساب نہیں
آنکھیں کہیں ہیں روئیں کہاں تک کہ آب نہیں	لب اور زباں کو تابِ سوال و جواب نہیں
قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

کاغذ تو جل کے آتشِ غم بیچ خاک ہی	سینہ قلم کا یا میرے مطلب کو چاک ہی
رونے میرے کا شور سمک تا سماک ہی	کیونکہ اتنا زباں سے فغاں دردناک ہی
قاصد نہیں ہی تاب مجھے آہ کیا لکھوں

ہجو حاجی

ایک خانہ خراب ایسا ہی	وہ سزا پاوے اپنے جیسا ہی
خانہ ویراں کیا ہی عالم کا	گھر اوجاڑا ہی ادنی آدم کا
اس کو جنت سے لے نکالا ہی	بوالبشر کو بلا میں ڈالا ہی
لوگ شیطاں کا نام لیتے ہیں	گالیاں مفت اس کو دیتے ہیں
ایک مجھ سے ملا تھا اہلِ عرب	میں نے اس سے کہا یہ کیا ہی سبب
جو ارادہ کرے کہ حاجی ہو	حج کرے معصیت سے ناجی ہو
تم گدھے پر اسے چڑھاتے ہو	اس خرابی سے کیوں پھراتے ہو
اون نے مجھ سے کہا خبر کچھ ہی	بوجھ لیوے گا تو اگر کچھ ہی
ایک ہی شخص ساکنِ پنجاب	حج کے تئیں وہ گیا تھا خانہ خراب
جب وہ پہنچا قریب کعبہ کے	لینے آئے نجیب کعبہ کے
اس کو اشتر پہ لے سوار کیا	مرحبا کہہ بڑا وقار کیا

وہاں کی بہتر یہی سواری ہے
یہی محمل یہی عماری ہے

آن کر لے گئے ضیافت کے
اِنتے جانے ہے یہ قیامت ہے

جا کے پوچھا وہاں شریف کے تئیں
یہ خبر دو تم اس کثیف کے تئیں

سچ بتاؤ تمہیں سرِ کعبہ
بند رہتا ہے کیوں درِ کعبہ

اس میں کیا سیم و زر جواہر ہے
اس قدر احتیاط ظاہر ہے

سنتے ہی ہنس دیا یہ فرمایا
جانتا ہوں تو جس لئے آیا

تو سمجھتا ہے یہاں خزانہ ہے
یہ خدائی کا کارخانہ ہے

تو اگر لے سکے تو لے جانا
میرا حصہ ہے مجھ کو دے جانا

یہ تو سنتے ہی بے قرار ہوا
وہاں کے چوروں کا جا کے یار ہوا

ان سے جا یہ سوال کرتا ہے
دین کو پائمال کرتا ہے

میں تو کعبہ کو آج ڈھاؤں گا
ایک کٹرا یہاں بناؤں گا

سیم و زر وہاں جو ہاتھ آوے گا
جو بتاوے گا یار پاوے گا

نقب کو کس طرح سے دیتے ہیں
مال کیوں کر کسی کا لیتے ہیں

بول اٹھے چور ہم سمجھتے ہیں
اور یہ کام کم سمجھتے ہیں

لیکن آنے دے یار تو شبِ تار
تب بجا لاویں بندگی یہ یار

اتفاقاً وہ رات بھی آئی
یاد اس کو وہ بات بھی آئی

لے گئے چوروں کے تئیں گیا گھر کر
جا لاگا ہی تھا وہاں در سے

ایک کتا عرب کا بھونک اٹھا
پاسباں شور سن کے چونک اٹھا

یوں پکارا کہ چور آئے ہیں
میں نے دو تین ان میں پائے ہیں

دوڑیو دوڑیو شتابی سے
لیجیو لیجیو خرابی سے

لوگ دوڑے تو چور بھاگ گیا
آپ تو ان کے ہاتھ لاگ گئے

رو کے تئیں کر سیاہ خوار کیا　　خر کے اوپر انھیں سوار کیا
تب سے زوار خوار ہوتے ہیں　　وہاں گدھے پر سوار ہوتے ہیں
وہاں کا مارا ہوا یہاں آیا　　خیر ہو فتنۂ زماں آیا
وہاں ستم خانۂ خدا اوپر　　یہاں جفا آلِ مصطفا اوپر
سیدوں کے تئیں ستاتا ہی
خانۂ اہلبیت ڈھاتا ہی

ہجو دانیال

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں　　نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں
دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے　　متلاشی ہیں آب و دانے کے
ہاں جی یہ ہی چلن زمانے کا　　کس کو نہیں فکر آب و دانے کا
لیکن اتنا کوئی نہ ہووے گا　　یہ کبھی پیٹ بھر نہ سووے گا
بھوک کانت خیال رکھتا ہی　　نام بھی دانیال رکھتا ہی
بھوک کی جھانجھ میں جو آتا ہی　　وہ تو اپنا کلیجہ کھاتا ہی
اور کا کب کلیجہ چھوڑے گا　　وہ تو کھانے سے منھ نہ موڑیگا
روبرو آتے اس کے کانپتی ہی　　ڈائن اپنا کلیجہ ڈھانپتی ہی
کہ مبادا یہ اس کو کھا جاوے　　پھیر کیا کیجیے بچا جاوے
ان کے خلف الرشید سے پوچھا　　یا انھوں کے مرید سے پوچھا
کہ کہو پیر کا شغل کیا ہی　　کہنے لاگے عجب تماشا ہی
روز و شب دیکھتا ہوں کھاتے ہیں　　لاؤ کھانا یہی سناتے ہیں
گھر میں کیا کاروبار کرتے ہیں　　بیٹھے ہیں زہرمار کرتے ہیں

جو کوئی سید بخاری ہے
اس کی خدمت میں ان کو یاری ہے

اس سے کیا آشنا ہے کونڈے کا
جا بجا مبتلا ہے کونڈے کا

نت اسی آرزو میں رہتا ہے
سارے ہفتے کو جمعہ کہتا ہے

شاعروں کی اگر کرے ہے ہوس
جانتا ہے حلیم کو اور بس

اس کے اوپر بھی دانت ہے ان کا
میں تو بندہ ہوں پیر کی دھن کا

گر وہ راہِ مشاعرہ پاوے
وہاں تو حافظ حلیم کو کھاوے

میل اگر جانبِ کتاب کرے
نان و حلوا کو انتخاب کرے

جو کوئی پوچھتا ہے اس کی معاش
کہتا ہے میں تو ہوں طعام تلاش

ہو کے باورچیوں کا دامنگیر
کہے اس ہاتھ کو کرو کف گیر

کانٹہ سر کو کاٹ وہ بیہوش
کیا عجب دیگ کا کرے سرپوش

بھوک کی جا تجھ میں جو آتا ہے
وہ جلے سوختہ بھی کھاتا ہے

مار ڈالو کسی خرابی سے
ہاتھ اٹھاتا نہیں رکابی سے

دیکھنے میں تو یہ نمو ہا ہے
لیک کھانے کے وقت یو ہا ہے

اس سے تئیں دین سے نہیں کچھ کام
اس کو آئین سے نہیں کچھ کام

اس لئے سیدوں کو مانے ہے
کہ حسینی کباب جانے ہے

قرصِ مہ کو وہ قرصِ نان سمجھ
آسماں کو بجائے خوان سمجھ

کہے ہے کھول منہ کو ہوں مجبور
کہ زمیں سخت آسمان ہے دور

اس کا دنیا میں ہم طعام نہیں
وہ جہاں ہے مگس کا نام نہیں

اتفاقاً اگر کوئی بیمار
راہ میں ان سے ہو گیا ہے دوچار

دیکھتے ہی اسے یہ فرمایا
کہ میرے پوت تو نے کیا کھایا

کیا اجیرن ہوا ہے تجھ کو طعام
تو کرے گا حکیم کو بدنام

یار سچ کہہ تجھے مرض کیا ہی — اونے پوچھا تجھے غرض کیا ہی
کہنے لاگا یہ ہی غرض مجھ کو — نہ ہوا یہ کبھی مرض مجھ کو
بس اوپر آپ راگ گاتے ہیں — خاک کاٹے ہیں راک کھاتے ہیں
لے بکھاوج کا کھا گیا آٹا — اس کے تسموں کا تیل بھی چاٹا
میں نے اس سے کہا یہ باجا ہی — لگا کہنے یہ میرا کھاجا ہی
بے دھڑک ہو کے اس لئے گایا — اون نے تو تان سین کو کھایا
یوں کہے ہی مرے کی لے کر تان — ایک جرما تھا میرا نعمت خان
اس سے نامِ خدا کبھی نہ سُنا — غیر ذکرِ خدا کبھی نہ سُنا
لے کے تسبیح کو وہ قرم ساق — یہی پڑھتا پھرے ہی یا رزاق
بُرا کہنے سے کب وہ ڈرتا ہی — گالیاں کھا کے پیٹ بھرتا ہی
رہ گئی آرزو یہی جی میں — نہ رہیں پانچوں انگلیاں گھی میں
ایسے بھوکے کو موت اگر آوے — گور میں بھی کفن نگل جاوے
حشر تک گرسنہ رہے گا وہ — مرتے مرتے بھی یہ کہے گا وہ
نہیں مجھے اعتبار ساتھ نہ لو — میرے توشہ کو میرے ہاتھ میں دو
اب تو میں گور بیچ جاؤں گا — یہ نہ ہوگا تو خاک کھاؤں گا
یہ وصیت ہی میری تو کل پر — گاڑو مجھو مٹھائی کے پل پر
زندگی ہو جہان کے بارے — یہ مرے اپنی بھوک کے مارے

یا الٰہی فغاں کا غم کم ہو
یہ کہیں داخلِ جہنم ہو

ہجو آخوند صاحب

پختہ کاری ہیں ایک مرد عزیز — لیک رکھتا ہے خام فہم و تمیز
بلکہ تاثیر سم کی رکھتا ہے — دشمنی دم بدم کی رکھتا ہے
بھوک سے مارتا ہے عالم کو — ایک گندم نہ دیوے آدم کو
وائے جس گھر کا یہ بکاول ہو — صاحبِ اختیار ہو کل ہو
اس کو فاقہ کشی مبارک ہو — بندۂ سورۂ تبارک ہو
کون ہیں وہ میرے میانجی ہیں — انھیں جو کچھ کہوں سو بانجی ہیں
ہم میانجی کے جور سہتے ہیں — اب تلک طفلِ اشک بہتے ہیں
کوئی لختِ جگر جو آجاوے — میانجی چھین لیوے کھا جاوے
ہم سے نیزے سدا منگاتے ہیں — آپ نالِ قلم چباتے ہیں
نت سیاہی خراب ہوتی ہے — روز داڑھی خضاب ہوتی ہے
آپ روئے سیاہ رکھتے ہیں — میرے ذمہ گناہ رکھتے ہیں
دل کو دنیا سے سرد رکھتے ہیں — رو کو عالم سے زرد رکھتے ہیں
آپ سے جن کو گرم پاتے ہیں — وہاں میری آتش کو پکاتے ہیں
آپ کا گھر ہو ایہاڑ کا گنج — وہاں نخود ہی عدس ہی اور برنج
جنس تو مفت ہاتھ لاگی ہے — نقد پایا سو وہ جماگی ہے
کچھ سلیقہ نہیں پکانے کا — ذائقہ کب رکھے ہے کھانے کا
جب کہ طراجیوں پہ آتے ہیں — میٹھے ٹکڑے پکا کے لاتے ہیں
میرے اکثر نفر جو بھوکے ہیں — سخت جھنجھلا رہے ہیں روکھے ہیں
کھول کر پیٹ کو دکھاتے ہیں — سامنے ہو کے یہ سناتے ہیں

کب تلک گھر میں لکڑیاں جاویں — یا الٰہی یہ پکڑیاں جاویں

ان سوا اور جو ہیں خدمت گار — کہیں آپس میں بل کے سن بے یار

ایک ٹکڑا کسی کو کب بانٹے — یہ تو وہ ہے کہ تھوک کر چاٹے

وہ جوان ہیں غریب ہیں چپ ہیں — مرگ کے گو قریب ہیں چپ ہیں

انھیں کھانا بھوں سے یہ کم دیں — وہ اگر کچھ کہیں تو یہ دم دیں

جو کوئی اپنی بھوک کو مارے — سو کے ہلکا اٹھے میرے پیارے

بوجھ ہر گز رہے نہ چھاتی پر — جس کی گذران ہو چپاتی پر

میں جو آقا ہوں آپ کا شاگرد — کیا قیامت ہوئی ہوا شاگرد

کیوں مروں مفت بھوک کے مارے — کس مصیبت میں ہوں مرے پیارے

گھر میں اللہ کا دیا سب ہے
حکم خوردن نہیں ہے مکتب سے

ہجو لاغر

ایک تو مہرباں ہمارے ہیں — کیا کہوں قہر درد مارے ہیں

کیا کروں ان کی لاغری کا بیاں — دل تڑپتا ہے کانپتی ہے زباں

جن کا تعویذ ڈنڈ رائی ہے — ہاتھ ان کا دیا سلائی ہے

اون کو مرے نے آن کر گھیرا — مال زادی کا پوچھتے ڈیرا

کئی کوسوں تلک نکل گئے وہ — غرض ہر طرح سے بہل گئے وہ

مال زادی ہوئی جو ہم آغوش — مارنے لاگی سر اوپر پاپوش

کہنے لاگے یہ کون سی ہے ادا — مجھ پہ تو ظلم کیوں کرے ہے سدا

ارے بی تجھ سے مجھ کو آدر ہے — تو ہی خواہر ہے تو ہی مادر ہے

جوتیاں سر پہ کیوں لگاتی ہی   تو اگر زور آزماتی ہی

اولاً آ کے مجھ سے پنجہ کر

بعد ازاں میرے سر کو گنجہ کر

ہجو میر معصوم

ایک ہیں آشنا میرے مجہول   خود نما بو الفضول و نامعقول

آپ کو سب سے خوب جانتے ہیں   کب وہ کہنا کسی کا مانتے ہیں

جس سے ملنا دماغ سے ملنا   کس کی تعظیم کا ہی کو ہلنا

یا کہ فرعون بد سرشت ہیں یہ   یا کہ شدادِ بے بہشت ہیں یہ

یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے   متبنّیٰ ہیں خان دوراں کے

یا یہ شائستہ خاں کے پوتے ہیں   خان خاناں کے ہوتے سوتے ہیں

یا کہ نانی تھی ان کی نور جہاں   ان کا نانا تھا شیر افگن خاں

کون ہیں کیا بلا ہیں یہ کیا ہیں   کچھ نہیں ہیں غرض تماشا ہیں

ایک پھاٹی ہوئی سی شطرنجی   ایک لونڈی ہی گھر میں سو گنجی

تس پہ تکیہ کو رکھ کے لیٹے ہیں   آپ احسان خاں کے بیٹے ہیں

اب سنو ذکر جگ ہنسائی کا   میر صاحب کی کدخدائی کا

آپ اپنا بیاہ کرتے ہیں   خسر کا گھر تباہ کرتے ہیں

گئے مشاطہ اون کو بلوا کر   شان شوکت انھوں کو دکھلا کر

کہتے ہیں میں بیاہ کرتا ہوں   لیک فاقوں سے سخت مرتا ہوں

کسی عمدہ کے گھر کی لا نسبت   گر ہو مفلس تو اس سے کیا نسبت

میں تو عاشق جہیز کا ہوں گا   مہر چاہو گے تو نہیں دوں گا

قصہ کوتاہ غرض بحال تباہ ‏ — ‏ ہوئے آمادہ جب برائے بیاہ

رنڈیاں راہ میں تو دیکھ برات ‏ — ‏ کہیں آپس میں مل کے وہ ہیہات

وائے کس طرح کا یہ دولہا ہے ‏ — ‏ یہ موا ہاتھ سے تو لولا ہے

انگلیاں یہاں تلک ہیں زشت و کرخت ‏ — ‏ خشک ہوں جیسے شاخہائے درخت

کیونکہ دلہن کے تئیں اٹھاوے گا ‏ — ‏ دست سالم کہاں سے لاوے گا

سر کہاں ہے تلا ہے ہانڈی کا ‏ — ‏ حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا

بھویں آپس میں اس طرح رلیاں ‏ — ‏ جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں

چشم تو ہے برنگِ دیدۂ بوم ‏ — ‏ نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم

کان پھیلے ہیں جوں پرِ شپرک ‏ — ‏ ہے ہنا گوش جوں سرِ شپرک

ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی ‏ — ‏ جیسے جوتے پہ مینڈکی بیٹھی

دیکھیو دیکھیو ذرہ یہ مونچھ ‏ — ‏ جیسے ٹانگن کے مولنڈری پونچھ

منہ تو وہ ہے کہ جس میں دانت نہیں ‏ — ‏ پیٹ وہ ہے کہ جس میں آنت نہیں

سوچ کر لب اتھل پڑے ایسے ‏ — ‏ کانچ نکلے ہے ..... سے جیسے

ناف کا چھید تو بغارا ہے ‏ — ‏ گویا لڑکوں کا غچی پارا ہے

چوتڑوں کا پڑا ہے ۔ ڈھال ‏ — ‏ جیسے مرجھا رہی ہو خشک کھال

..... کا کیا علو سے شان کہوں ‏ — ‏ تھیک دوں بلک پیلدان کہوں

پاؤں تو اس قدر پڑے بدرنگ ‏ — ‏ پائے طاؤس کو ہے جیسے ننگ

کفِ پا نے تلی کو توڑ دیا ‏ — ‏ جوتیوں نے قدم کو چھوڑ دیا

وائے رے وائے رے چھبن دیکھو ‏ — ‏ چال دیکھو ذرا ڈھلن دیکھو

توند تو اس طرح سے لٹکی ہے ‏ — ‏ گویا ساچق کی پھوٹی مٹکی ہے

ان سوا اور جو ہیں بازاری ‏ — ‏ یوں کہیں ہیں بزراہِ غم خواری

نہ تو پیڑھی نہ چارپائی لی!　　نہ سلامی نہ رُونمائی لی
کیا ملا ہے جہیز میں......　　ایک سسرے کا مقبرہ پایا
ساس کا کیونکہ وہ کرے نہ گلا　　اور تو کیا ہے بکر بھی نہ ملا
گھر میں میراسنیں یہ گاتی ہیں　　سمدھنوں کے تئیں سناتی ہیں
بوڑھی بنڑی کو نک تو ٹھگنے دو　　ذرا نوشہ کو ٹونا لگنے دو

اے فغاں کب تلک کہوں احوال
کوئی معصوم سا نہیں چنڈال

ہجو شاہ عبدالرحمٰن الٰہ آبادی

لکھے شرحِ غم گر دلِ دردناک　　تو اپنی زباں کلک کرتی ہے چاک
مرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ　　بہاتے ہیں چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہے ماجرا درد کا　　دلِ سرد کا اور رُخ زرد کا
بیاں سے بجا ہے کہ خاموش ہوں　　کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے ہے حجاب　　کہ یہ راز روشن ہے جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں　　گرفتارِ غم کی روایت کے تئیں
جہاں میں مرا ایک دلدار تھا　　اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے　　نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو　　نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی　　سنا تھا نہ میں قیسِ ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں　　تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا　　سدا وصل کے بیچ آرام تھا

جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں — تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں
اسی کو میں کہتا تھا ہی ماہتاب — وہی تھا مرا پنجۂ آفتاب
میں پوجوں تھا نت اس صنم کے تئیں — نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں
وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا — غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا
میں کافر ہوں اس کی شکایت کروں — جو گذری ہی سو تو حکایت کروں
سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی — کہیں خوش طبع ہو میرے یار کی
اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج — چلے تھا وہاں سے تو میں لاعلاج
یہ کہتا تھا رو رو ستم گار کو — نہ چھوڑ اس مزے ہیں تو گلزار کو
ارے دیکھ غنچہ کا دل باغ باغ — ارے دیکھ لالہ کے سینہ کا داغ
ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال — کہ حیرت سے رہ گئی ہیں آنکھیں نکال
ارے اے مری جان اس وقت میں — ارے تیرے قربان اس وقت میں
ترا ہنس کے کہنا میں گھر جاؤں گا — میرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا
یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز — کوئی اس میں محمود کوئی ایاز
فلک نے یکایک ستم یہ کیا — دلِ شاہ کو داغِ حرماں دیا
نہ پہنچا کوئی وہاں میری داد کو — چلا تب تو میں مرشد آباد کو
سنو ماجرا عرصۂ راہ کا — اثر اڑ گیا یہاں میری آہ کا
کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے — عجب شہر ڈھونڈا دکھایا مجھے
یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ — میرا بس چلے آج دوں اس کو آگ
جہاں تک تری ہے وہاں سیل ہے — نظر آئی خشکی تو کھپریل ہے
لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا — کہ یہ تو ہی بیت الخلا دہر کا
کروں وصف کیا واں کے بازار کی — نرالی ہی گرمی خریدار کی

اگر کوئی لے اپنی جنسِ گراں — یہ چاہے کہ بیچے بہ قیمت گراں

نہ لیویں جو قیمت کریں کم کریں — کوئی اور لیوے تو برہم کریں

ترازو پہ رکھ تول لیں لعل کو — غرض سنگ کے مول لیں لعل کو

خریدار جھٹ یہ جو دلّال ہیں — سو وہ ایک ... چنڈال ہیں

ہوئی یہ خطا گر خریدار سے — لیا ماہِ کنعاں کو بازار سے

کہیں کیوں لیا ایک دینار کو — کہ مہنگا ہے یوسف خریدار کو

لکھوں وضع گر مردمِ شہر کی — کم ہو جاوے حرمت ابھی دہر کی

عجب دہر ہے جس میں یہ شہر ہے — مصیبت ہے زنداں ہے قہر ہے

نکالے خدا اس بلا سے شتاب — نہ ہوگا جہنم میں اتنا عذاب

اگر ہو گا تو یار ہوں گے کئی — وہاں میرے غمخوار ہوں گے کئی

وہ پہنچیں گے آخر مرے درد کو — دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو

کہوں گا کہ میں عاشقِ زار ہوں — میری داد دینا گرفتار ہوں

یہاں کون پہنچے میری درد کو — دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو

یہ کچھ ہوں مجھے ان سے کیا کام ہے — رہے جس کو اس جا میں آرام ہے

مجھے اتفاقاً ہوا اتفاق — کہ آئے نظر یہاں کے اہلِ نفاق

یونہیں ہنستے ہنستے یہ آیا خیال — بھلا دیکھیے یہاں کے صاحب کمال

انھیں شاعری میں ہے کتنا شعور — کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور

پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے — زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

نہ از راہِ شوخی یہ حرکات ہے — میرے پیر صاحب کی وہ ذات ہے

اگر کوئی جاں کو دشنام دے — کہیں تجھ کو اللہ آرام دے

کہیں آپ کو مرشدِ کائنات — تبرک ہے یہاں پیر صاحب کی ذات

سیدا ہی قصاب میر افتدیم　　میرے گھر کا نجار حافظ حلیم
اسی کا تو شاگرد فرہاد ہی　　کہ یہ تیشہ رانی میں استاد ہی
سنو جس کی پھولی گلستان ہی　　وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہی
نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو　　اے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دستِ سخا　　تو میں بھی تو رکھتا ہوں دستِ دعا
کئی شعر ہیں یاد استاد کے　　تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضموں ہیں　　تبھی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمائیے　　نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار　　کہ تا شاہدی دیویں اہلِ جوار
"کریما بہ بخشائے بر حالِ ما　　کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا"
کبھی کاٹ کا ایک تکہ بنا　　پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جابجا
الٰہی بہ اعزازِ آن پنج تن　　کہ ہستند فخرِ زمین و زمن
جو ہندو سے ملتے ہیں وہاں رام ہیں　　مسلمان کے شیخ الاسلام ہیں
جو ہندو کہے ذات بتلائیے　　برہمن ہو گایت ہو فرمائیے
تو کہتے ہیں سنتا ہی اوتار ہوں
میں اگلے زمانہ کا سردار ہوں[1]

ہجو برادر

سنو مہرباں یہ میری عرض ہی　　تمھیں گوش کرنا اسے فرض ہی
کہ میں سخت بیکس پریشان ہوں　　کوئی دن کا یہاں تیرا مہمان ہوں

---

[1] پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے نسخہ میں ہجو شاہ عبدالرحمان الہ آبادی کے ساتھ پانچ صفحوں کے حاشیہ پر شاید کوئی اور ہجو لکھی ہوئی ہی جو پڑھی نہیں جاتی۔

کہاں تو کہاں میں کہاں شہر یہ — کہاں باغ بیگم کہاں نہر یہ
کہاں چاندنی چوک وگذرے کی سیر — کہاں ہے یہ کعبہ کہاں ہے وہ دیر
سناتا ہوا تیری فریاد کو — چلا جاؤں گا مرشد آباد کو
میرے بعد جو ملک سے پائیو — بڑے بھائی ہو شوق سے کھائیو
ولیکن میراب تو حصہ نہ لو — خدا کی طرف دیکھ کر کچھ تو دو
کہ یہ ملک باغ فدک تو نہیں — پڑی ہے گی جھگڑے میں جس کی زمیں

میرے حق کو مت کر غصب میرزا
بھلا غاصبِ حق کو کہتے ہیں کیا

سرگذشت لشکر راجہ رام نرائن بہادر

کیونکر کٹیں گے یارب یہ بے شمار فاقہ — مجھ کو تو دوسرا ہے نفروں کو چار فاقہ
اعلیٰ سے تا بہ ادنیٰ جتنے ہیں گرسنہ ہیں — لشکر میں ہو گئے ہیں بے اعتبار فاقہ
کوئی اگر سپاہی سردار سے کہے ہے — لینا خبر شتابی مرتے ہیں یار فاقہ
کل سے نفر نے میرا گھوڑا نہیں ملا ہے — مقدور نہیں بشر کا کاٹے ہزار فاقہ
سن کر اسے یہ کہنا یکساں ہے حال سب کا — تیرا نفر ہے بھوکا میرے کہار فاقہ
ہیں فاقہ مست اکثر ان میں سو یوں کہیں ہیں — ...... آج رنڈی توڑیں گے یار فاقہ
رنڈی کہے ہے میں تو بھوکی ہوں تین دن سے — ..... میرے منہ میں مجھ کو نہ مار فاقہ
دیوان کے تو در پر دربان یوں کہیں ہیں — کیا لکڑیوں کو کھاویں ہیں چوبدار فاقہ
دیواں کہے ہے سچ ہے کیا کھاویں یہ بیچارے — ان کا تو عرض بیگی ہے کون تغار فاقہ
اقبال کے نشاں کو ادھار لے گیا ہے — چٹ کر گئے پھریرے ہیں باندار فاقہ

پہنچا ہی یہاں تلک تو احوال اصطبل کا
غازی کی.... پھاٹ چابک سوار فاقہ

ہاتھی کی.... میں بیٹھے ہیں شیخ بھینا
ہودے کا کون اس کو ہی فوجدار فاقہ

کہتا ہی ساربان تو میں شتر کو لادوں
ہوں ایک دو بلاے ساری قطار فاقہ

شاہ و گدا کی حالت یکساں ہی میرے صاحب
تنخواہ دار بھوکے روزینہ دار فاقہ

مرغ چمن کو اب تو ملتا نہیں زر گل
بلبل نے اس چمن میں کاٹے ہزار فاقہ

بندے سبھی خدا کے کہتے پھرے ہیں الجوع
القصہ کیا کہوں میں سارا دیار فاقہ

ہجو بسنت خاں

نہ عشق صفاتی ہوا تحقیق نہ ذاتی
غفلت میں مری عمر بیک رو چلی جاتی

کہنا سخنِ چند جو رکھتے ہوں فصاحت
نت طبع مری شستگیٔ لفظ پر آتی

آگہ ہی زباں نعت سے یا مدح سے واقف
دم پر بھی آتی ہی جو اینڈا کہیں پاتی

ہوں تیغ صفت دستِ جواں مرد کے لائق
نامرد کے ہاتھوں کو میری آب کٹاتی

کیوں کر نہ کروں چرخ ستم گار کا شکوہ
صیقل سے مٹے ہی یہ میرا جوہر ذاتی

ناگاہ مصیبت میں گرفتار ہوا میں
یہ مجھ کو اذیت میری تقدیر دکھاتی

ورنہ میں کہاں اور یہ گھر خواجہ سرا کا
اس در پہ مجھے گردشِ افلاک ہی لاتی

آیا تو ہوئی یہاں مجھے فاقہ سے ملاقات
ہر روز یہ ہی گرسنگی ضعف بڑھاتی

ہوں جائے ترحم میری اوقات کو دیکھو
پھٹتی ہی میرے درد سے یہاں سنگ کی چھاتی

کہتا ہوں بکاول کو کبھی لقمۂ تر دے
کس طرح سے کھاؤں مجھے روٹی نہیں بھاتی

کہتا ہی کہ خشکا نہیں خشکا جو پکاؤں
بھوکے رہو.... سے یہی چار چپاتی

تس پر یہ ستم ہی کہ نہ قلیہ کا پیالہ
وہ چار چپاتی کئی دن سے نہیں آتی

ہر صبح کو میرا ملا جاتا ہے کلیجا
انتڑی بھی مجھے سورۂ اخلاص پڑھاتی

بارے کئی دن تک مری اوقات کٹی یوں
پھر طبع کی جودت مجھے مضمون سُوجھاتی

یعنی کہ بیاں کیجیے اوصاف میاں کا
مشہور ہو تو آپ کی یہ خوبی ذاتی

بد خلق یہاں تک کہ ہمیشہ ہی منغض
چرچہ یہ کبھی طبع مبارک اگر آتی

کہتا ہے کہ نینی کے تئیں جلد بلانا
پتنا کو بھی لے آویں کہ وہ ساتھ ہی گاتی

دوڑے جو نقیب اس کے تئیں کھینچ کے لائے
آئی تو لگی ناچنے اور بھاؤ بتاتی

دھوکے میں کہ شاید میاں فیضو بھی ہو ویں
کھل کھل اسے ہر طرح سے آنکھوں میں ملاتی

القصہ دل اس کے کو یہاں تک تو لبھایا
کہنے لگا چل سوئیے اب نیند ہے آتی

انگڑائیاں لیتا ہوا جا سیج پہ لیٹا
اتنے میں یہ جا پہنچی وہاں نیند کی ماتی

بستر پہ لٹا کر جو ہیں ٹانگوں کو اٹھایا
. . . .

اس سان ہتھیلی کا قیامت ہے تڑاقا
چپٹی کی صدا گور کے مُردوں کو جگاتی

. . . .

رنڈی لگی کہنے میں اگر جانتی ایسا
. . . .

مشغول تھے اس میں کہ وہ ہیں آن کے چپکے
بولا کہ چلو قبلۂ عالم ہے بلاتی

فرمایا کہ جلدی کریں تیار سواری
ہے ہے یہ مجھے ڈومنی کیا ناچ نچاتی

بارے چلے دربار کو وہ شان بنا کر
حاضر ہوئے سرکار کے سنگھی و سنگھاتی

ازبسکہ میاں تو میرا ایک ہی ننگ نہیں ہے
چیرا جو بسنتی ہے تو جامہ ہے بناتی

کنبے کا نویلا ہے وہ اماں کا پیارا
نت دیکھ سواری بڑی بی بی یہ سناتی

تو جیوے سلامت رہے دنیا میں بلالوں
یہ زرد عماری تیری مکنا تیرا ہاتھی

گھر میں تو بڑی بی بی کی شادی ہے ہمیشہ
وہ کون سا دن جو نہیں پیروں کو مناتی

اے پیر ہٹیلے میں تیری ہٹ کے تصدق
بلوا کے ڈفالی کو یہ سہلی تھی گواتی

دربان پکارا کہ کرو ڑا ہوا کلو — بندی تو اسے قبلہ عالم ہے بندھاتی
جوں ہی یہ خبر آئی تو سرپیٹتی ووں ہی — کرتے کو اٹھا رابعہ...... چلی آتی
پہنچی تھی وہ ور تک کہ خبردار سے پوچھے — کشمیرنی ڈیوڑھی کے اوپر دھوم مچاتی
کیا پوچھتی ہے جا بڑی بی بی مان خدا کو — یہ خول تیرے پیٹ پچا کا ہے گراتی
دربار سے روشن ابھی آیا ہے بلاوں — دیوان کے فرد وقایع پڑھی جاتی
یعنی میاں صاحب سے زر قسط ہے منظور — خلعت ہے اسے بو بو الربیکہ پہناتی
ملتی ہے اگر کوئی محلہ کی زرا لی! — یہ درد دل اپنا اسے رو رو کے سناتی
جس مرد کو دیکھا سو پریشان نظر آیا — دولت تو بجز...... کٹائے نہیں آتی
بہنا جو مجھے خوجہ گرہ اس وقت میں ملتا — پہلے میاں یعقوب کے لو لو کو کٹاتی
صد قبلہ عالم کی خدا جانئے کیسا ہے — ناظر سے بھڑاتی ہے بہادر سے لڑاتی

حضرت جو کبھی منع نہ کرتے تو یہ بی بی
چیپٹی کی سلائی کو بھی آنکھوں میں پھراتی

قطعہ در ہجو عمو

جس روز کہ دہلی سے فغاں میں ادھر آیا — حیرت میں ہوں اب تک کہ الٰہی کدھر آیا
آئی جو نظر حضرت حاجی کی حویلی! — دہاں دیکھتا ہوں کیا کہ چچا جی کا گھر آیا
چاہا کہ ذرا بیٹھیے ٹک دیکھیے ان کو — لوگوں نے وہیں آن کے یکبار ڈرایا

یہ وہ ہے سقیفہؔ کہ بنی سعد بھی اس کو
کہتا ہے الٰہی کہ میرا گھر کدھر آیا!

قطعہ در ہجو کاتب

یہ جو میرا ہی راقم دیواں! تحفہ نسخے کا بھولا بھالا ہی
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن ہوش جس روز سے سنبھالا ہی
ہائے ہنوز ے وہ لکھے ہی حنا آپ کا رسم خط نرالا ہی
قاتل طبع زاد ہی ظالم! میں نے دشمن بغل میں پالا ہی
زندگی ہی میری سخن جس کو سہو کاتب نے مار ڈالا ہی

ہذا ختمت انتخاب دیواں مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاںؔ مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان[۱]

---

[۱] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کے آخر میں "راقمہ سلطان علی" لکھا ہوا ہی

فارسی کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پسند خاطرم آمد ازین دنیا و ما فیها   ادای خندهٔ ساغر صدای گریهٔ مینا
صنم جویان زهی کوشش زهی جوشش زهی مستی   مسلمانان زهی ایمان زهی طالب زهی تقوی
چها از درد می نالی چها از رنج می رنجی   بدردت می رسد یارت فغان امروز یا فردا

قطعه

بکوی خود ای مه نگهدار مارا   خدارا خدارا خدارا خدارا
بسویم گذر کن بحالم نظر کن   نگارا نگارا نگارا نگارا
چه تقصیر کردم چها گفته ام من   شمارا شمارا شمارا شمارا
مرا کی گذاری اگر میگذاری   جفارا جفارا جفارا جفارا

قطعه

همان منم که هم آغوش کردهٔ تو مرا   چه کرده ام که فراموش کردهٔ تو مرا
قبای سرمئی ای نور دیده می پوشی   باین لباس سیه پوش کردهٔ تو مرا
اگر بپای تو دستم رسد مضائقه نیست   معاف دار که بیهوش کردهٔ تو مرا
گذشتم از سر شکوه تو بگذر از دشنام   خموش باش که خاموش کردهٔ تو مرا

قطعه

بسکه از عریان تنی شادیم ما   از تکلف سخت آزادیم ما

خطا نخواند از حال ما آگہ نشد | کاش دل را می فرستادیم ما
از تو آباد است اے غم خانہ ام | خانہ ات آباد آبادیم ما

قطعہ

گشت روشن زد را زی شب تارمرا | می کشد تا بہ صحرایں دل بیمارمرا
بت پرستی نرود از سر من تا دم مرگ | رگ جاں گشت مگر رشتۂ زنارمرا

قطعہ

چشم بیمار تو مجروح چناں کرد دلم | کہ عیادت نکند باز پرستارمرا
بادشاہ اند گدایان مقیم کویش | تاج سر گشت ہمیں سایۂ دیوارمرا
یوسفے بود دلم لیک بدستش دادم | بس عزیز است فغاں خاطر دلدارمرا

رباعی

شب کوئے یار رفتم بوسیدم آستاں را | من در بلا فگندم بیجاں پاسباں را
بار دگر نخواہد گر دید چاک جیبش | ناصح بیار فو کن من گفتہ ام فغاں را

اشک اگر نبود شب ہجرت گریباں گیر ما | خلق را بیدار سازد نالۂ شبگیر ما

بے رتبہ می شود جگر پارہ پارہ ام | از یک دگر جدا مکن ایں لخت لخت را

رباعی

خاموش[1] می شود جگر داغ داغ ما — دامن مزن نسیم سحر بر چراغ ما
از چشم روزگار فتادیم و گم شدیم — جز طفل اشک کیست که گیرد سراغ ما

قطعه

به مهر نیست غرض نامهٔ مرا قاصد — که بر عقیق لبش کنده اند نام مرا

قطعه

از دست داد گرمی بازار خویش را — یوسف چها نداد خریدار خویش را
جان دادم و تو بهر عیادت نیامدی — آزرده ساختی دل بیمار خویش را
چشم فغان سفید شد از انتظار یار — ناچار بست دیدهٔ خونبار خویش را

قطعه

از عشق تو خون گشت دل نوحه گر ما — ای بی خبر ما نگرفتی خبر ما
این کشته نازت گله از تیغ ندارد — در شکر تو واشد لب زخم جگر ما
صیاد ز انصاف بعید است که از دام — آزاد شود طائر بی بال و پر ما

بی گنه آن نگار کشت مرا — من چه کردم که یار کشت مرا

---

[1] پنجاب یونیورسٹی نسخہ "افسرده می شود"

قاصد از کوے او نمی آید   دل امید وار کشت مرا
کاشکی در وصل خاک می گشتم   ہجر در انتظار کشت مرا
در بزم شمع و رسید فغاں   گرم جوشی یار کشت مرا

تا قیامت تر بماند دیدهٔ نمناک ما   بعد مردن گل بر آید گر بکاوی خاک ما

اسباب ہستئ ما ناچار کرد ما را   ناحق ز خواب راحت بیدار کرد ما را

قطعه

آخر اے ماه درین غم کده یکبار بیا   دم صبح نیائی بشب تار بیا
دست بگذار بدل بر سر بالین بنشین   جان من بهر پرستاری بیمار بیا

اے زلیخا گریہ کمتر کن بہنگام وصال   می نشاند اشک نور دیدهٔ یعقوب را

قطعه

مالیده ام بچشم خود آن خاکپاے را   بوسیده ام فغان در دولت سراے را
حاجی غلاف کعبه عوض گر کند بجاست   گردی در آنه دامن عصمت فزاے را
در حشر از محاسبهٔ عشق فارغم!   بخشیده ام بقاتل خود خونبہاے را
تیغ نگاه را برقیبم سپردهٔ   دادی ز دست ناخن مشکلکشاے را
دشنام را تو در حق عاشق روا مدار   کس حرف تند و تلخ نگوید گداے را

قطعہ

عاشق بباغ یا بہ بیاباں نشستہ است — دل را ز دست دادہ و حیراں نشستہ است
بلکے ز فتہ است دلم غیر زلف یار — جمع است خاطرم کہ پریشاں نشستہ است
تارے ازاں نماند کہ زخمش رفو شود — دیوانہ ام بفکر گریباں نشستہ است
خنداں چہ میشوی خبر مبتلا بگیر — امشب فغاں بہ بزم تو گریاں نشستہ است

ابروے او کہ قبلۂ دلہائے پرغم است — بہر شہید عشق ہلال محرم است
جاناں بیا بہ سر بالین من نشین — آں واپسیں دمے کہ شماری ہمیں دم است
لب بستہ ام ز شکوۂ آں شعلہ رو فغاں — بہر جراحت دلم ایں آہ مرہم است

رباعی

چوں نالم طاقت صبر و قرار از دست رفت — تا کہ یار آید دل امیدوار از دست رفت
خاک کوئے یار در چشمم بجائے سرمہ بود — از ہجوم گریہ ایں مشت غبار از دست رفت

قطعہ

از ہستی ما تا فلک عمر رواں است — آگاہ نیم منزل مقصود چساں است
در خواب عدم دل ہوس لالہ و گل داشت — تا چشم کشودیم دریں باغ خزاں است
عمریست کہ از سینۂ من رفت و خبر نیست — باشد دل من پیش تو ایں نیز گماں است
نے قامت او بہ سرم آورد قیامت — زلف سیہ یار بلائے دل و جاں است
از گرسنگی ہیچ نپرسی کہ دریں شہر — ہر روز مرا غرۂ ماہ رمضان است

مرغان چمن بر سرم از درد بنالید　　آگاه نمائید که این خاک فغان است

رباعی

گر دل نگرفت بے نیاز است　　در طالب جاں شود نیاز است
سوزانہ نمی کنیم فریاد　　آخر شب عاشقاں دراز است

رباعی

از بس چہ شد کہ موافق بد شمناں تست　　بت منست کہ روح منست جان منست
ہمیشہ بر سر تست آمدے و میرندے　　گے ز لطف نہ گفتے کہ این فغان منست

از فغانش بچمن خواب نیامد مارا　　زیر دیوار کسے مرغ گرفتارے ہست

قطعہ

دفا برائے رقیباں جفا برائے منست　　چرا بروے تو عاشق شدم سزائے منست
بسوئے کعبہ روم یا بسوئے دیر روم　　بہر طرف کہ روم خانہ خدائے منست

در خواب چو دیدم گرہ زلف تو باز است　　تعبیر ہمیں است کہ عمر تو دراز است

اکنوں گلہ ز ابروے و مژگاں مکن فغاں　　خوں از دلت برآمد تیر از کماں گذشت

سجدہ گاہ عشق جائے دیگر است　　آں بت سرکش خدائے دیگر است

دیگراں از پا[1] و من بسر — خانہ اش دولت سرائے دیگر است
عجز باید میرزائے در کنار — میرزائیم میرزائے دیگر است
اے فغاں آں دلبر بیگانہ خو — چوں نہ نالم آشنائے دیگر است

موج دریا انقلابے بیش نیست — زندگی ما حبابے بیش نیست
ایں طلسماتے کہ می بینیم ما — چشم چوں بستیم خوابے بیش نیست
عاشق و معشوق بے گانہ نیند — درمیاں حائل حجابے بیش نیست
دل ہمیں یک قطرۂ خوں است و بس — از جگر پرسی کبابے بیش نیست
خاطر عشاق را تسکین کجا — در دل ما اضطرابے بیش نیست
بر زباں ما سوال بوسہ است — در دہاں او جوابے بیش نیست
ایں چنیں دردے کہ می دارد فغاں — گر کنی رحمے ثوابے بیش نیست

عرض کردم کہ بشفقت چہ قدر خوار شدم — سوئے من دید و بفرمود فغاں ایں ہمہ نیست

بند بندم را جدا کردی و جانے ماندہ است — ہمچو نے در استخواں من فغانے ماندہ است
چشم من از گریہ بس کن جانب پیکاں ببیں — قطرۂ خوں از برائے میہمانے ماندہ است

نے بوئے گل ہمیں بدماغم رسیدہ است — فریاد زد جگر کہ بداغم رسیدہ است
روشن شد است دیدۂ خونبار من فغاں — روغن ز چشم دل بچراغم رسیدہ است

---

[1] دونوں نسخوں میں پڑھا نہیں جاتا

درمیان یار و ما حائل حجاب افتاده است — مدتے شد کار و بار دل خراب افتاده است
گر نمی خواہی درون خانه گاہی جلوهٔ — بر درت آخر گہے خانه خراب افتاده است
چشم روشن شد که روئے یار امشب دیده است — دل نمی دانم چرا در اضطراب افتاده است
از نظر انداخت نور دیده اش دیدیم ما — گوہر اشک فغاں بے آب و تاب افتاده است

آں گل ز بزم وقت سحر ہمچو صبا رفت — من نام خدا گفتم و او نام خدا رفت
ایں ساکن ملک عدم از پردهٔ ہستی — ناخوانده چرا آمد و ناگفته چرا رفت
امروز به بزم تو نه دیدیم فغاں را — شاید ز سر کوئے تو آں بے سر و پا رفت

دلم بآتش شوق تو مائل افتاد است — اگر مدد نکند اشک مشکل افتاد است
بہر دیار که رفتم نشاں دل پیداست — که خون صید تو منزل بمنزل افتاد است
نظر بلوح مزارم نمی کنی ظالم — ہزار حیف که ایں نقش باطل افتاد است
صدائے ناله بلند است از در و دیوار — ز طاق ابروئے او شیشهٔ دل افتاد است
ز چشمہائے ستمگر فغاں رہائی نیست — دل غریب بدست دو قاتل افتاد است

دیدهٔ ما ز اشک سیراب است — چشم بد دور عالم آب است

اے جنوں در دشت مارا چشم آہوئے بس است — گر تو رہبر می شوی دیوانه را ہوئی بس است

گرددم دل بلاکش خود ما نثار دوست — جاں ہم خدا کند که بیاید بکار دوست
از بدگمانی دل خود اے فغاں مرا — نے اعتماد دشمن و نے اعتبار دوست

بدستنامه بر ما پیام گفت و نگفت　　اشاره کرد به ابرو و سلام گفت و گفت

دل چو گبد اخته شد ز آتش غم مینا گشت　　اشک چون رفت ز چشم تر من صهبا گشت

داغ در سینه یادگار کسے است　　گل پژمردهٔ بہار کسے است

قطعه

تند بگذر ز کوئے یار نسیم　　چشم ما فرش رہگذار کسے است
تو که بر باد می دہی ما را　　آخر این خاک ہم غبار کسے است
ناصحا دست از فغان بردار　　دادن دل باختیار کسے است

بت نا آشنا کے خانه ام را خانه می داند　　دلم را می برد لیکن مرا بیگانه میداند
فغان ذات علی را جز خدا دیگر که می فهمد　　متاع خانه را البته صاحب خانه می داند

خرام تو به عنوان تو باشد　　خدائے ما نگہبان تو باشد

ناقه هر گه قدم خویش بجا گم آرد　　روح مجنوں تو گرد سر محمل برود
اے فغان صبر بفرما ز طپیدن باز آ　　که مبادا ز کفت دامن قاتل برود

درد دل زخم جگر می داند　　گریه ام دیدهٔ تر می داند
انچه از فرق تو بر من بگذشت　　دست من داند و سر می داند

دل طاقت این بیان ندارد   دردے دارد و زبان ندارد

گریان مرا گذارد و خندیده می رود   رحمے نمی کند که چه از دیده می رود

بندهٔ زلف تو گشتند پریشانے چند   حیف در کفر فتادند مسلمانے چند

گشت تنهائیٔ زندان تو صیاد مرا   کاشش در دام تو افتند اسیرانے چند

خون روان است ز زخم جگرم آه هنوز   یارب بے فائده افشاند نگراے چند

اے فغان شکر نیم بر سر کوئیش تنها   هم چو من خاک نشین اند غریبانے چند

چه می پرسی مرا از دیدهٔ گریان چه می آید   بغیر از لخت دل در گوشهٔ دامان چه می آید

زخم دل کے به زهر هم می شود با   این نه یارب گاه عالم می شود

هرگز نرفت از سر کوئے تو جان من   مرغ دلم نجاک چو بسمل طپید و ماند

وقتے که یار دامن خود را کشید و رفت   آن دم فغان چه کرد گریبان دریده ماند

بسا به بین چه قدر چشم تر مروت کرد   چنان گریست که آخر غریق رحمت کرد

بپائے سرو چو قمری نگاه کرد مرا   رسید نعره زنان بر سرم قیامت کرد

چه کرده است که تشهیر گشته است فغان   عبث عبث بت بے رحم لعنت تهمت کرد

بیوفائے ما نظر هرگز بحال ما نکرد   خویش را انداخت در خواب و خیال ما نکرد

ہماں معشوق بہتر ہر کہ فارغ از حیا باشد
چہ حاصل مست را گر دختر زر پارسا باشد

چہ عجب عاشق اگر نالہ و فریاد کند
لیک داد از دل معشوق کہ بیداد کند

آخر آں شوخ دستم گار بہا یار نشد
خوب شد الفت دل کم شد و بسیار نشد

دوشش دیدم کہ ز بالین فغاں یار گذشت
حیف گیں خستۂ غفلت زدہ بیدار نشد

رحمے بر آں غریبے کہ بہ ہجر مردہ باشد
بت بے وفائے خود را بخدا سپردہ باشد
گفتم فغاں بکویت قرباں نمود جاں را
گرد ندروے خود را گفتا کہ مردہ باشد

اے طبیب دل بیمار تغافل تا کے
آخر ایں درد جگر سوز علاجے دارد

فغاں لخت دلم از اشک چشم خونفشاں گم شد
نمی آید صدا شاید جرس زیں کارواں گم شد
تو بودی یا کہ من بودم تو دزدی یا کہ من دزدم
کجا جویم کرا پرسم دل من از میاں گم شد

علاج درد الفت غیر ترک جاں نمی باشد
چہ می نالی دلا خود کردہ را درماں نمی باشد

نامۂ اعمال من فردا چو پیدا می شود
عاقبت ایں روسیاہی ہا ہویدا می شود

گلگوں قبائے ما بگلستاں گر رسید
ما را ز سینہ چاکی گلہا خبر رسید!

نازے براں کہ تیغ تو جوہر نمود کرد
شادم ازیں کہ خون دلم تا کمر رسید

قرباں شوم بناوک مژگاں چہ لذت است
می خواستم نشانہ شود دل جگر رسید

ایں زخمی نگاہ تو صحت پذیر نیست
یک زخم بہ نگشتہ و زخم دگر رسید

حاصل ازیں کہ ضبط دل ما خراب شد
او را انگشت فائدہ ما را ضرر رسید

امشب صدائے نالہ بگوشم نمی رسد
دست فغاں بدامن قاتل مگر رسید

از نامہ برم کہ خبرے داشتہ باشد
کو مرغ دلم بال و پرے داشتہ باشد

مردود صنم خانہ و ملعون جہاں است
جز در گہ تو ہر کہ درے داشتہ باشد

از اشک بگیرید سراغ دل ما را
کیں قافلہ شاید خبرے داشتہ باشد

دفتر آتش عشقیم چہ می باید کرد!
محضر آتش عشقیم چہ می باید کرد

یا بسوزید مرا یا بسپارید بخاک
اخگر آتش عشقیم چہ می باید کرد

خواہ پروانہ بگو خواہ سمندر ما را
طائر آتش عشقیم چہ می باید کرد

داغہائے دل ما صورت اخگر دارد
مجمر آتش عشقیم چہ می باید کرد

سوزش عشق فغاں در خط تقدیرم بود
دفتر آتش عشقیم چہ می باید کرد

قاتل من شنیدہ است روز جزا بسر رسید
دامن خود ز دست من خواہ نخواہ می کشد

یار من رو برو نمی آید!
پیش آئینہ او نمی آید

کشتی مراد بار دگر وا نمی کنی
اے خانماں خراب بیانت کہ بستہ بود

درون خانہ با ہر کس کہ او گرم سخن باشد — بہ آوازش نہم گوشے کہ شاید حرف من باشد

سخنے ہمچو من قابل تکرار نہ بود — کم شنیدی تو چرا ایں ہمہ بسیار نہ بود
یار آں شب کہ فغاں از سر بالینم رفت — چکنم بخت من سوختہ بیدار نہ بود

وصل تا قاتل شد بیسود داغ ہجراں ز دل نرفت — زخم گر بہ می شود لیکن نشاں کے می رود

کجا بختے کہ قاصد مژدہ از کوئے یار آرد — نمی دانم چہا بر دیدہ آخر انتظار آرد

گویند کہ داماں تو از دست فغاں رفت — شاید بہ اجل دست و گریباں شدہ باشد

پرسش حال دلم آں ستم ایجاد نہ کرد — جور را کرد فراموش کہ مرا یاد نہ کرد
داد نالیدن دل آں بت بے رحم نداد — رو بگرداند نہ تا گوش بفریاد نہ کرد
بہ تمنائے وصالش ہمہ عمرم بگذشت — غم دل دور نہ شد خاطر من شاد نکرد
بندۂ ضبط فغانم کہ بایں درد جگر — نالہ ہر چند بلب آمد و فریاد نکرد

مے و میخانہ سلامت باشد — ساقی ایں خانہ سلامت باشد
سنگ و طفلاں بجہاں بسیار اند — سر دیوانہ سلامت باشد
چوں گدا بر در او گفت فغاں — صاحب خانہ سلامت باشد

دل نمی دانم چرا مشتاق پیکاں می شود — بر کماں ابروے خود ایں صید قرباں می شود

گر ضیافت می کنی خوں بہر او پیدا کمن — اے جگر فکرے خدنگ یار مہماں می شود
گر ز رویش یافت جمعیت دلم لیکن چہ سود — حال من از زلف او آخر پریشاں می شود
دیگراں دل می دہند اے شوخ این جاں می دہد — گر قبول افتد فغاں ممنوں احساں می شود

خانہ بے یار خوش نمی آید — در و دیوار خوش نمی آید
شب چو فریاد من شنید و بگفت — آہ بیمار خوش نمی آید
بے وفائی است شیوۂ محبوب — وعدۂ یار خوش نمی آید
اے فغاں چاک کن گریباں را — دست بیکار خوش نمی آید

در سینہ کجا قرار دارد — با ما دل ما چہ کار دارد
دامن مکش از سر مزارم — با خاک کسے غبار دارد
تشبیہ مدہ بشمع دل را — کیں شعلہ بے شرار دارد
احوال فغاں ز ما مپرسید — بے چارہ دل فگار دارد

غیر از دو چشم پر نم جائے دگر ندارد — میلے گزک مفرما عاشق جگر ندارد
در گوشۂ دل من جاناں مکن مقامے — کیں خانۂ شکستہ دربان و در ندارد

بدست تست کجا رفت پیش ما کہ نباشد — تو از کجا نہ نداری دل از کجا کہ نباشد

داغ عشقت نہاں نمی ماند — آخر ایں گل شگفتہ خواہد شد

خم ز نقش کند خواید شد — دل دیوانه بند خواهد شد
آتش دل نهان نمی گردد — دود آخر ملند خواهد شد
من به طفلی شناختم خود را — کیں پسر دردمند خواهد شد
پیش مردم نماند قدر سرشک — گریه ام زهرخند خواهد شد

از صبا بوئے او نمی آید — شاید از کوئے او نمی آید
کشتۀ تیغ حیرتم که بوصل — در نظر روئے او نمی آید

ایں که گویند یار می آید — کے مرا اعتبار می آید
چوں نظر می کنم به خندۀ خویش — گریه بے اختیار می آید
سر زخم جگر سلامت باد — داغ گے در شمار می آید
یا علی مشکل فغاں بکشا — بر درت بار بار می آید

مردم دنیا نمی گردند غمخوار فقیر — جز خدا دیگر که باشد یار و دلدار فقیر
عارف سالک ز بند کفر و دیں فارغ تر است — رشتۀ تسبیح می گردید زنار فقیر

بیهوده مگو لب مکشا ضبط نفس کن — دود دل ریش است فغان آه نگهدار

شیوۀ لطف و کرم یار ز عنوان تو دور — رحم بر گریۀ ما از لب خندان تو دور

بلی کشتهٔ تیغ تو بگیرد آرام نام آسودگی از خاک شهیدان تو دور
دانشد مرغ دلم در قفس سینهٔ من طاقت بال فشانی ز اسیران تو دور
چون بکف آورم ای شوخ گریبان ترا دست کوتاه من از گوشهٔ دامان تو دور
بوسه گه مرهم داغ دل افگار شده سوزش زخم دل من ز نمکدان تو دور
همه با بر در تو غیر فغان موجودند هست آن غمزده از خیل غلامان تو دور

دل کجا رفته است حیرانم من بجائے رسیده ام که مپرس

هر گه که باز گردد بند قبا بنازش گل چاک پیرهن را دل کند نیازش

زلف تو بلائے جان عاشق افسوس برائے جان عاشق
لعل تو حیات جاودان است چشم تو شفائے جان عاشق
برخاک فغان گذر نگردی این بود سزائے جان عاشق

دور است از رسم جهان لیل و نهار عاشقان صبح وصالش در عدم شام غریبان در بغل

دارم خدنگ نازکسے در کنار دل هم یادگار سینه و هم یادگار دل

چرا بفکر دل بیقرار خود باشم که او بکار خود و من بکار خود باشم
نه گل فشاند بخاکم نه کس چراغ افروخت دلے بسوزم و شمع مزار خود باشم
نماند طاقت جسمم که بار هستی را بدوش گیرم و تا چند بار خود باشم

زبسکه محرم درد دلم نماند فغان — انیس خود شوم و رازدار خود باشم

دامن ز دست این دل بسمل نمی دهم — من خون بهای خویش بقاتل نمی دهم

خوش آن زمان که هم آغوش یار خود کردم — ز فیض آئینه رویان دوچار خود کردم
بخاک من اگر آن شوخ سنگ دل آید — چو گرد باد فغان گرد یار خود گردم

بعمرے بوسه زان لعل خندان یافتم — زخم دل چشم تو روشن شد نمکدان یافتم

گوئی که نمی گریم من سخت دلے دارم — من چون نشوم گریان بدبخت دلے دارم

چو خواهم اینکه برپائے تو جان نثار کنم — حجاب مانع من می شود چه کار کنم

دلم بشهر نه وا می شود نه در صحرا — کجا روم تو بگو آه اے فغان چه کنم

کو طاقتے که دست دگریبان او شوم — سر افگنم به پائے و قربان او شوم

نخواهم گفت حرفے از درد دل زاری ترسم — اگر اندک دلم را می شود بسیار می ترسم

پیش ازین هیچ به دنیا نبود تعزیرم — مدعی خوش بجهان باشد و من دلگیرم
بعد من خاطر اطفال گر امنظور است — بسر لوح مزارم که کشد تصویرم

دست این پیر بگیری کہ تو ہم پیر شوی — تو جوانی و من اے شوخ قیامت پیرم

چون شمع بعشق تو از خویش فراموشم — می خندم و میگریم می سوزم و خاموشم
کو ساقی و کو صہبا کو ساغر و کو مینا — من ہیچ نمی دانم مخمورم و مدہوشم
آزادم و بے باکم من ہیچ نیم خاکم — این جامۂ عریانی افگندہ کہ بر دوشم

یاد ایامے کہ در کویش گذارے داشتم — بہر چشم دشمنان مشت غبارے داشتم
بعد مردن جان من گر بگذری بر خاک من — یاد خواہی کرد من ہم خاکسارے داشتم
عکس روے او بچشم و زلف او در دست بود — پیش ازین من ہم فغاں لیل و نہارے داشتم

ہیچ کس مجرم نباشد در سر و کار دلم — دل گنہگار منست و من گنہگار دلم
این چنین جنسے من از بہر تو ارزان کردہ ام — می فروشم جان اگر باشی خریدار دلم
ناوک مژگاں چرا خدمت گزین دل شود — یک ملازم ہم نمی باید بسر کار دلم

در بند قبا این دل دیوانہ نباشد — عریاں شوم و تار گریباں بتو بخشم
خونابہ کہ از دیدۂ نمناک رواں است — گر پاک کنی گوشۂ داماں بتو بخشم

نمی گویم کہ من گرد سرش بسیار گردیدم — دل خود را بدستش دادم و یکبار گردیدم
چہ می رانی مرا از درگہ خود اے طبیب دل — بامید شفاے آمدم بیمار گردیدم

چہ شد گر در حریمت جانب اغیار میدیدم — بہ این کم فرصتی روے ترا بسیار می دیدم

ماه در قریه نماندست بهجر تو مرا — خدا را که چه حالت ست مرا[۱]

مپرس حال دل من که سخت بیمارم — برو طبیب بدر روے عجب گرفتارم

چو گرد کعبه هندو شد مسلمان گشت — چو کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی

نه من پابند یک معشوق هستم بسکه آزادم — گهے در دشت مجنونم گهے در کوه فرهادم

تا از در دوست ما جدائیم — با ناله و آه آشنائیم
اے هم نفساں ز ما بجنید — هماں دو ر دو ره شنائیم
ما را مفگن ز کوے خود دور — رحمے رحمے شکسته پائیم
شاہاں همه بندهٔ گدائید — صد شکر فغاں که ما گدائیم

گردش چشم یار را دیدم — طرفه لیل و نهار را دیدم
نه همیں آستیں ز اشک تر است — جیب دیدم کنار را دیدم
خالے از لخت دل نمی باشد — مژهٔ اشکبار را دیدم
چو نقش پا یکن ....[۲] — لذت انتظار را دیدم
با مید تو شاد می گردد — دل امید وار را دیدم
دل افسرده را شگفت فغاں — باغ دیدم بهار را دیدم

اے خداے بت پرستاں سوختم — دشمن جاں مسلماں را سوختم

---

[۱] و [۲] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ان دونوں اشعار کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ پڑھا نہیں جاتا۔

من ز دست آتشینِ خوئے چو شمع ز آتشِ تارِ گریباں سوختم

غیر از تپ حرماں دگر آزار ندارم بیمار چنانم کہ پرستار ندارم
دیروز چناں کرد دلم خانہ خرابی کامروز بسر سایۂ دیوار ندارم
گفتم صنما جان فغاں را تو ربودی گفتا کہ دروغ است بادکار ندارم

کہ می آید فغاں بہر پرستاری ببالینم گہے با عکس می سازم گہے آئینہ می بینم

لب او وا نمی شود چہ کنم غنچہ گویا نمی شود چہ کنم
بہ نگاہی نمی خرد دل را آہ سودا نمی شود چہ کنم
بر نمی آید آرزوئے دلم یار تنہا نمی شود چہ کنم

دل داغ دار دارم بفراق یار سوزم نہ چراغم و نہ شمعم کہ بہر مزار سوزم

بروز حشر کہ من سر بروں ز خاک کنم برنگ صبح گریباں خویش چاک کنم

من چشم التفاتے از ہیچ کس ندارم غیر از خدا کسے را فریاد رس ندارم
در یاس طپیدن دل جانم ز تن بر آید مرغ شکستہ بالم تاب قفس ندارم
حیرت سرائے رنگینی تصویر ساخت ما را خاموش می نشینم گویا نفس ندارم

بسکہ لطف از نظارہ یافتہ ام زندگی دوبارہ یافتہ ام

من بداماں تو فغاں اگر   جگر پارہ پارہ یافتہ ام

بگرد کوئے تو من بار بار می گردم   تو رہ نمی دہی و بیقرار می گردم

حریفیست کہ از لعل لبش کام گرفتم   کے بوسہ طلب کردم و کے نام گرفتم
باخاک نہ کار است کسے را نہ غبار است   پامال جہاں گشتم و آرام گرفتم
آں چشم پر از فتنہ و آں زلف بلا بود   من دیدہ و دانستہ فغاں دام گرفتم

فصل گل می رود چہ چارہ کنم   کو گریباں کہ پارہ پارہ کنم
اشک گر فرصتم دہد و انگہ   چشم بکشایم و نظارہ کنم

نہ من با کعبہ الفت دارم و نہ دیر می خواہم   خدا باد و دارد و ہر دو را من خیر می خواہم

نکردم شکوہ اش با کس نہ خود حرفے شنید از من   گریباں را چہ کردم چاک او دامن کشید از من

غنچہ کے گشت آشنائے سخن!   در دہاں تو نیست جائے سخن

گر درد بعشاق دہی فکر دوا کن!   از شربت دیدار علاج دل ما کن!

با ہزاراں نالہ آہ سرد می آید بدل   بستہ ام لب را کہ بوئے درد می آید بدل
خاک کوئے یار از بس در دماغم جا گرفت   اشک کے آید ز چشم گرد مے آید بدل

الٰهی بعد مردن در چمن باشد مزار من　　که تا بلبل بنالد گل بروید بر غبار من
سرشکم داغ من رویم بہ بیں اے گلعذار من　　گل من بوستان من خزان من بہار من
رفوگر میکند زخم دلم معلوم می گردد　　خجالت می کشد ناصح زجیب تار تار من
من از خود رفته ام گویند مردم یار می آید　　چه می آرد فغاں بر دیدهٔ من انتظار من

مارا ز دست غیر میسر نشد گہے　　دامان او گرفتن و تنہا گریستن!

من گر نالم چوں کنم تو آشنائے دیگراں　　قہرت برائے جان من مہرت برائے دیگراں

نباشد حاجت شمعے بخاک بیکسان او　　چراغ از داغ دل آید برائے کشتگان او

ایں نخواہم کہ تو داد دل ناشاد بدہ　　دل محزون مرا رخصت فریاد بدہ
اے فلک پیش تو منظور اگر انصاف است　　دادهٔ آنچه به پرویز به فرہاد بدہ
تیغ فولاد اگر در کف قاتل دادی　　عاشق خستہ جگر را دل فولاد بدہ
چہ شود گر تو شوی سلسلہ جنبان ندیم　　اے فغاں ایں غزل تازہ باُستاد بدہ[لہ]

آں دل کہ فارغ از غم یار است خستہ بہ　　لا حاصل است شیشۂ خالی شکستہ بہ

حاضرم ظالم اگر بہر جفا استادهٔ　　ساعتے بنشیں سرت گردم چرا استادهٔ

لہ پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں اس شعر کے سامنے حاشیہ پر ایک شعر ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔

قاصدا با چه دیده می آئی — که گریبان دریده می آئی
دست را کے دراز کردم من — تو که دامن کشیده می آئی
اے فغاں یافتم ز کوئے نگار — سخت محنت کشیده می آئی

کشتی مراد باز پشیماں نمی شوی — اے بندۂ خدا تو مسلماں نمی شوی
می سوزی و فتیلۂ ہر شمع کشتۂ — اے رشتہ حیف تار گریباں نمی شوی

عجب چشم بیمار اے یار داری — کنم تا بہ کے آہ بیمار داری
چو دل نذر کردم بعزم و جان کو — باندک چه آئی تو بسیار داری
فغاں از فغانِ تو معلوم کردم — دلِ خویش جائے گرفتار داری

در وفائے تو داده ام جان را — دگر اے بے وفا چه می خواہی
در کنارت بت تو ہست فغاں — تو دگر از خدا چه می خواہی

اے دلم در ہجر او امید واری تا بکے — ایں اشک باری تا کجا ایں آہ و زاری تا بکے

رحم فرماید بحال خستہ گاں شاید کسے — داغہائے سینہ را تا چند بنماید کسے
من بکوشش دامن قاتل بدست آورده ام — اے فغاں فریادرس امروز می باید کسے

ہمیں نہ مردم چشم نگر بہ آگاه اند — رسید شور سرشکم ز ماه تا ماہی

منظورِ کیست بے تو تمنائے زندگی — من زندہ ام بہ ہجر تو اے وائے زندگی
از بیم ہجر یاد وصالش نمی کنم — بیمار مرگ را چہ تمنائے زندگی
تنہا مرا بخلوت او رہ نمی دہند — ہستند دوستاں ہمہ اعدائے زندگی
ما را فغاں ہوائے خزاں و بہار نیست — بسیار کردہ ایم تماشائے زندگی

اگر میل شرابے کردہ باشی — دل ما را کبابے کردہ باشی
ز تیغش نیم بسمل ماندی اے دل — تو شاید اضطرابے کردہ باشی
بدل داغ غمت را می شمارم — تو ہم در دل حسابے کردہ باشی
فغاں جاں دادی و نگرفت قاتل — تو در گفتن حجابے کردہ باشی

نیائی مانع فریاد من در رنج و بیماری — جفاکاری ترا باشد سزاوار دم آزاری
ہزار افسوس گلہائے جہاں زیں شیوہ معذورند — دماغم را معطر کند بوئے وفاداری
نہ در دستم گریبان است و نے دامان وصل او — مرا از مدتے مشغول دارد شغل بیکاری
دلا تا می توانی دستگیر پاشکستاں شو — عصائے خویش سازی ہر کہ را از خاک برداری
صدائے زمزمہ امشب نمی آید فغاں شاید — نصیب مرغ خوش آہنگ شد دام گرفتاری

رباعیات

(۱)
یا شاہ فلک جناب وقت مدد است — نور مہ و آفتاب وقت مدد است
خواہم کہ بزیر قدمت خاک شوم! — یا حضرت بوتراب وقت مدد است

(۲)
یا شاہ نجف حال ضعیفم بنگر — از معصیت خویش خفیفم بنگر

در درگہ تو روے سیہ آوردم — اے نور خدا روے کثیفم بنگر

(۳)

از بہر عبادت نہ زخود می کوشم — نے شیخ زمانہ ام نہ خرقہ پوشم
گر پشت بسجدہ خم نگردد چہ کند — افتاد زبس بار گنہ بر دوشم

(۴)

گویند مغاں نمی خورد بادهٔ ناب — داریم قبول لیکن آں مست شراب
چوں دید کہ ظرف من زعصیاں پرشد — در ساغر لبریز نمی ریزد آب

(۵)

ساقی ہم ہیچ و جام و مینا ہمہ ہیچ — اسباب نشاط ہیچ و دنیا ہمہ ہیچ
باہیچ مپیچ دل ازیں ہا بردار — گوہر ہمہ اعتبار و دریا ہمہ ہیچ

(۶)

عارف ہر وقت بے حدی باشد — زاہد ہر دم بر دو کد می باشد
خوباں خوب از حرف ہے گویند — بد می گوید کسے کہ بد می باشد

(۷)

از شرع مرا بگو چہ راہے باید — بے باکی و رندی چو گناہے باید
از پرتو ذات تا کہ روشن گردد — البتہ مرا روے سیاہے باید

(۸)

دور از وہم است امتحان درویش — دور از فہم است داستان درویش
در دل خود فقیر بادل لب سپرد — قہر درویش شد بجاں درویش

(۹)

از بیم عذاب حیف کردی توبہ — از بادهٔ ناب حیف کردی توبہ

گل جوشش زد و شگوفہ بارے آورد | اے خانہ خراب حیف کردی توبہ

(۱۰)

نے ملک و معاش و نے زمیں می ماند | نے یار و رفیق و ہم نشیں می ماند
چیزیکہ بماند او نماند است فغاں | نامیست کہ بر لوح نگیں می ماند

(۱۱)

آن قابل دشنام و عتاب است کجا | آن لائق کشتن و عذاب است کجا
دل را چو ئیم بہ پیش جاناں گوئیم | اے خانہ خراب آں خراب است کجا

(۱۲)

از کوئے تو من خجل نخواہم برخاست | تا جان ندہم ز دل نخواہم برخاست
با خاک درت چو آب شامل شدہ ام | ہرگز ہرگز ز گِل نخواہم برخاست

(۱۳)

بیدرد مرا ز دل خراشی چہ غم است | از چشم تر و ز اشک باشی چہ غم است
گفتم بسر کوئے تو باشم گفتا | باشی چہ غم است اگر نباشی چہ غم است

(۱۴)

آہے داریم ماکہ بے تاثیر است | اشکے داریم ماکہ دامنگیر است
جسمے داریم کو سراپا داغ است | داریم دلے کہ قابل تعزیر است

(۱۵)

دل را دادیم و نیم جانے باقی است | از ہستی ما ہمیں نشانے باقی است
آں نیز مسافر است و در رفتن آں | ساعت ہم نیست بلکہ آنے باقی است

(۱۶)

در عشق مرا حال تباہے باید! | آتش بدل و بہ سینہ آہے باید

ایں ہا ہمہ بہر تست لیکن صنما　　گاہے گاہے بمن نگاہے باید

(۱۷)

ایں شوخ یگانہ از کجا پیدا شد　　آشوب زمانہ از کجا پیدا شد
دل رفت و بجاے دل خیالش جا کرد　　ایں صاحب خانہ از کجا پیدا شد

(۱۸)

دنیا داراں ہمیشہ زر می جویند　　فیل و شتر و توسن و خر می جویند
ایں تنگ دلاں چو تاک بیزاں از خاک　　ہر چند بیابند دگر می جویند

(۱۹)

سیمیں بدناں کہ طالب سیم و زرند　　کے مائل خون دل و لخت جگر اند
بے قدر کنندہ با پشیزے نہ خرند　　ہر چند کہ قطرہ ہائے اشکم گہر اند

(۲۰)

برہم زن روزگار یاد تو بخیر　　آوارۂ ہر دیار یاد تو بخیر
عمریست کہ از سینۂ من گم شدہ است　　آہ اے دل بیقرار یاد تو بخیر

(۲۱)

گر گریہ کنیم یار می خنداند　　ور خندہ کنیم یار می گریاند
شمعیم کہ ما را بشب وصل نگار　　خنداند و گریاند و می سوزاند

(۲۲)

سقا پسرے عجب صفاتے دارد　　عاشق برخش شدن نجاتے دارد
ادر پے خضر چوں سکندر بزدیم　　چاہ ذقنش آب حیاتے دارد

(۲۳)

شیریں ز ازدواج خسروانی مسرور　　فرہاد بشغل تیشہ رانی مسرور

لیلےٰ بخیال تاب وطاقت مشغول! مجنوں با ضعف و ناتوانی مسرور

(۲۴)

شاید بہ جہاں نماند غوغائے دگر کس نیست چو من دل شدہ رسوائے دگر
پہلوئے دلم خانہ خود ساختہ اے درد نداری تو مگر جائے دگر

(۲۵)

از دست جفائے صنم ناانصاف داغے بجگر دارم و در سینہ شگاف
رحمے رحمے بحال بیکس رحمے انصاف انصاف اے عزیزاں انصاف

(۲۶)

در گوش کسے رسد فغانم مشکل گویا شود از شکوہ زبانم مشکل
جائے بنشستہ ام کہ باید برخاست مانم مشکل دگر نمانم مشکل

(۲۷)

مرگ بسر من نہ ز عالم پرسی درد دلم از دیدۂ پر نم پرسی
اشکے کہ ز چشم بر لبم می آید ایں طفل کس است بہر ماتم پرسی[۱]

(۲۸)

گویم بچہ وجہ منکہ رستم رستم الحال دل خویش کہ بستم بستم
شانہ ہم اگر بزلف باشد باشد من نیز بلاکش تو ہستم ہستم

(۲۹)

تاکے ز فراق تو بخود جبر کنم از دیدۂ تر خون بدل ابر کنم
یعقوب نیم چند بگریم ظالم ایوب نیم تا بہ کجا صبر کنم

---

[۱] اس شعر کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر دو شعر ہیں جو پڑھے نہیں جاتے۔

(۳۰)

خون دل خود خورم شراب است اینہیں — لخت دل خود خورم کباب است اینہیں
در ہجر تو شکوه از معیشت نکنم — در قسمت من دانه و آب است اینہیں

(۳۱)

باید درویش را به صحرا گشتن — بے مونس و بے رفیق تنہا گشتن
ننگ است فغاں با عتقاد ازاد — بہر دنیا ذلیل دنیا گشتن

(۳۲)

اے یوسف من پا نہ نہی بر سر راه — از جان گذرد ہر کہ کند بر تو نگاه
گر روے تو در خواب زلیخا بیند — او یوسف خود را فگند باز بچاه

(۳۳)

دل باختہ ایم عشق بازی تا کے — خواری بامید سرفرازی تا کے
انصاف انصاف ما غلام تو شدیم — اے بندہ نواز بے نیازی تا کے

(۳۴)

تشریف که در خانهٔ ما آوردی — ہر دم ہمه حیراں که چها آوردی
بنشیں بنشیں که چشم عاشق فرش است — خوش آمدهٔ بالا صفا آوردی

رباعیات ہجو¹

(۳۵)

از کردهٔ خود کے پدرم منفعل است — ...نسبتش متصل است
از کشتن من دست نخواہد برداشت — آں خانہ خراب حارث سنگدل است

---

¹ پنجاب یونیورسٹی میں رباعیات ہجو کے بجز راجہ رام نراین بہادر کے بیٹے تک کے اشعار نہیں ہیں۔

(۳۶)

آخر مادر بگور افگند مرا — در رنج و تعب بزور افگند مرا
گفتم که من از خون تو پیدا شده ام — چون لتهٔ حیض دور افگند مرا

(۳۷)

شوم است بقول هندیان کناس است — بوم است ز سایه اش جهان را یاس است
بدخواه برادر و برادر زاده — این عم نشتر کینهٔ بنی عباس است

(۳۸)

بر ریش برادر نشتی تف باشد — هر چند که هم رشته و هم کف باشد
خواهد که مرا بچاه غم اندازد — شاید ز برادران یوسف باشد

(۳۹)

گر بر در یار جبهه سایم مشکل — در درگهٔ او اگر برآیم مشکل
مانند نفس آمد و رفتی دارم — آیم مشکل وگر نه آیم مشکل

هجو مهابت خان عرف سلطان خان خسر احمد شاه

(۴۰)

بر دختر زشت تو نشد شه مشتاق — ما هیچ شنیدیم که داد است طلاق
افسوس افسوس این چه حالت رو داد — حال تو خراب گشت ای قرم ساق

هجو مان خان خالوی احمد شاه

(۴۱)

در درگهت ای بادشه عالی جاه — هر چند که این عرض بود محض گناه

خالوے تو ہمچو روسیاہی باشد   لاحول ولا قوۃ الا باللہ

ہجو.... احمد شاہ

(۲۴)

اے قرح دہن کشادیاد تو بخیر   اے بانی ہر فساد یاد تو بخیر
اے قبلۂ عالم تو سلامت باشی   اے مادر کیقباد یاد تو بخیر

قطعہ

اے عم بزرگوار بدخواہ   در خورد بیک مقام ناگاہ
گفتم کہ عداوت از کجا چیست   فرمود کہ قربتہ الی اللہ

ہجو راجہ رام نراین بہادر دیوان نواب شجاع الدولہ بہادر

اللہ می دہاند و شیطان نمی دہد   نواب می دہاند و دیوان نمی دہد
بیر جمیش ببیں کہ ز گلزار روزگار   یک گل بعندلیب غزلخواں نمی دہد
شیطان ازیں عمل بہ تحیر فتادہ است   گندم چرا بحضرت انساں نمی دہد
لب تشنہ مردہ است سکندر ز دست او   آب بقا ز چشمۂ حیواں نمی دہد
خواہد کہ جن و انس بفرماں من شوند   انگشتری بدست سلیماں نمی دہد
آن کیست راجہ رام نراین بہادر است   کز راہ ظلم داد غریباں نمی دہد
ایرانیاں بدرگہ او نوحہ می کنند   چیزے بنام شاہ خراساں نمی دہد
تورانیاں بہ کلبۂ احزاں نشستہ اند   حبہ برائے حضرت ایشاں نمی دہد
شاگرد پیشہ سیلیے استاد می خورد   یک چوب خشک در کف درباں نمی دہد

ایں را مگو کہ چیلۂ نواب زد گرفت
کو ... ہم بدست غلاماں نمی دہد

ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغاں مخاطب
بخطاب ظریف الملک کوکہ خاں بہادر سلمہ اللہ الرحمان